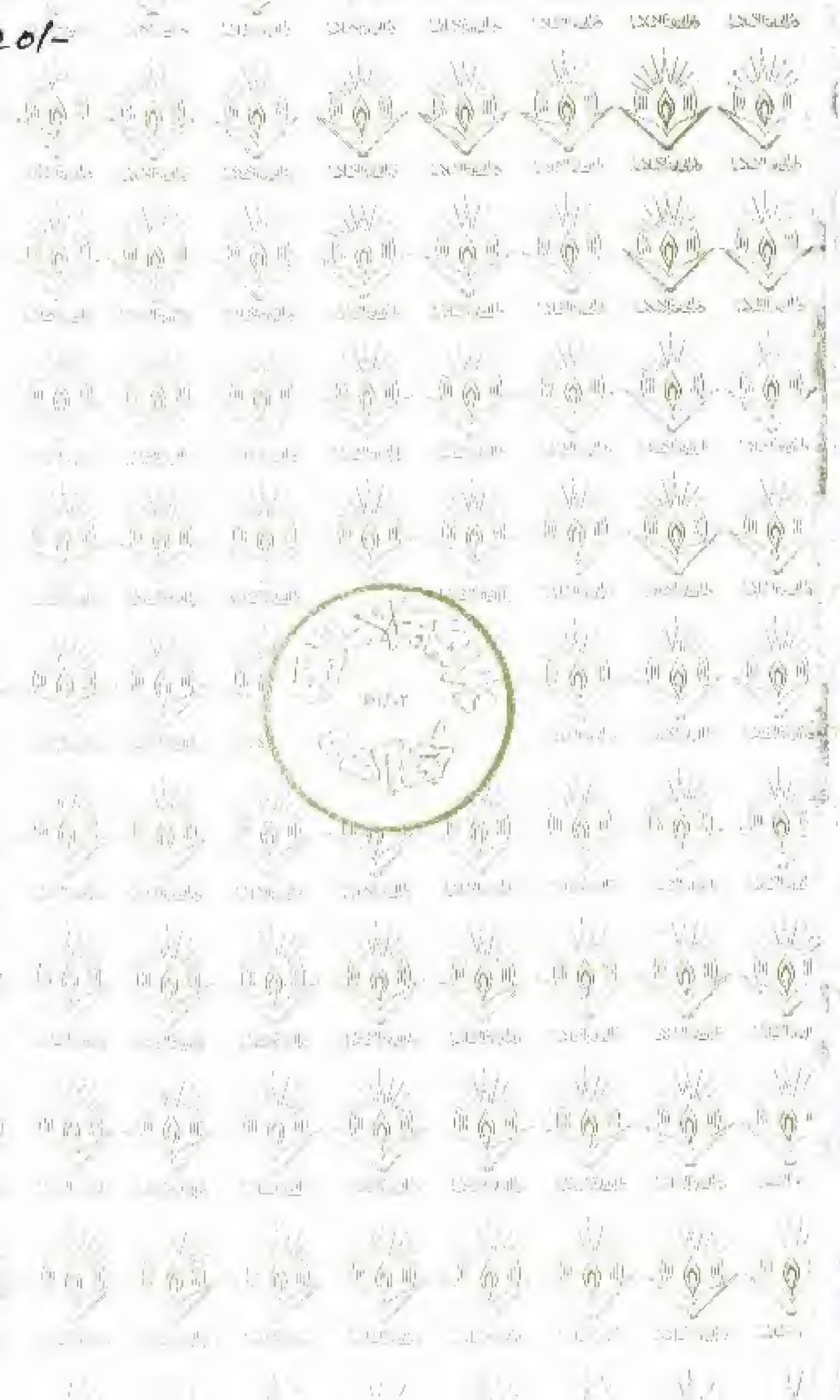
تفسیرِ عاشورا



السیّد علی شرف الدین الموسوی علی آبادی





تفسیرِ عاشورا

السید علی شرف الدین الموسوی علی آبادی



دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

۲- بے - ۳/۶ ناظم آباد نمبر ۲- کراچی



نام کتاب ــــــــ تفسیر عاشورا

قلم ــــــــ سید علی شرف الدین موسوی عالی آبادی

تصحیح و ترتیب ــــــــ سید عباس کاظم زیدی
و
سید علی رضوان شاہ نقوی

کتابت ــــــــ سید جعفر صادق

ناشر ــــــــ دار الثقافۃ الاسلامیہ

تعاون ــــــــ شعبہ تصنیف و تالیف

طبع اوّل ــــــــ صفر ۱۴۰۷ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۶ء

تعداد ــــــــ ۱۰۰۰

طبع دوم ــــــــ رجب المرجب ۱۴۰۷ھ مارچ ۱۹۸۷ء

تعداد ــــــــ ۱۰۰۰

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ

کلام مقدس "قرآنِ کریم" ہر دور ہر زمانے میں اسلام دشمن استعماری و استبدادی قوتوں کے دستبرد کا ہدف ونشانہ بنا رہا۔ اسلام کے سب سے بڑے دشمن صیہونیوں نے اس معجزۂ ربانی کو اپنی سازشوں کا سب سے زیادہ نشانہ بنایا۔ مختلف باطل تحریفیں اور جعلی تفاسیر کے ذریعہ اس کتاب کو بھی دیگر کتب ہائے آسمانی کی طرح غیر معتبر بنانے کی نہ جانے کیا کیا کوششیں کی گئیں۔ کبھی اس کلام میں کمی وزیادتی کے دعوے کیے گئے اور کبھی نقائص نکالنے کی کاوشیں کی گئیں۔ آیات وسورتوں کی ترتیب وتنظیم کو غیر الہی وغیر رسولی بناکر لوگوں میں شکوک وشبہات پھیلائے گئے انتہا یہ ہے کہ جعلی احادیث تک وضع کی گئیں لیکن خدا نے اپنے کیے گئے عہد کو برقرار رکھا اور اس کتاب آسمانی کو کسی بھی قسم کی تحریف ورد وبدل سے محفوظ رکھا۔

ارشاد خداوند متعال ہے:

"ہم نے اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے نگہبان و محافظ ہیں"۔

(سورہ الحجر آیت ۹)۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

"نہ آگے سے اور نہ پیچھے سے کوئی باطل کرنے والی شے اس میں داخل ہو سکے گی"۔

(سورہ فصلت آیت ۴۲)

چنانچہ اگر کوئی شخص قرآن میں کمی و بیشی اور تحریف کا دعویدار ہو تو اس کا یہ ادّعا واضح و روشن آیاتِ الٰہی اور متواتر وارد ہونے والی احادیث و روایات کے جھٹلانے کے مترادف ہوگا۔ حتیٰ کہ اس کتابِ مقدس کی ترتیب و تنظیم میں بھی کسی قسم کا شک و شبہ کرنا جائز نہیں۔ البتہ مختلف ادوار میں مختلف تحریکوں نے اپنے مقاصد و عزائم کے حصول کے لیے اس کلامِ خدا کی مختلف باطل تفاسیر بیان کیں۔

اس قسم کی باطل تفاسیر کرنے والوں میں جہاں دیندار مسلمان مفکرین شامل ہیں وہاں لادین و ملحد افراد بھی موجود ہیں۔ مادہ پرست کمیونسٹ جو خود مبدا و معاد اور ایمانِ غیب کے منکر ہیں اور مذہب کو سرمایہ دارانہ نظام کا نتیجہ سمجھتے ہیں اپنے نام نہاد عدل و انصاف پر مبنی خود ساختہ نظام کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے آیاتِ الٰہی سے استدلال کرتے ہیں تاکہ اس طرح سادہ لوح و سادہ فکر مسلمانوں کو بآسانی بے وقوف بنا سکیں۔

بعض اوقات چند بے شعور و سادہ لوح مسلمان خود اپنی سادہ لوحی اور کم علمی کی بنا پر آیاتِ الٰہی کی غلط اور باطل تفاسیر کر ڈالتے ہیں اور یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ وہ اس طور مذہب کی خدمت کر رہے ہیں۔

مسلمانوں کے تمام فرقوں اور مسلکوں میں معتبر مانی جانے والی روایات اور حدیث ثقلین کی رو سے ائمہ اطہار علیہم السلام ہمسر و ہم پلۂ قرآن ہیں جہاں ایک طرف قرآن کریم غلط و باطل تفاسیر سے محفوظ نہ رہ سکا اسی طرح اہلبیت اطہارؑ کی ذوات مقدسہ و سیرت ہائے طیبہ اور ان کے حکیمانہ اقوال و ارشادات بھی تحریفات غلط تفاسیر کے ہاتھوں محفوظ نہ رہ سکے۔

قرآن کریم کی حفاظت کی ضمانت تو خداوند متعال نے خود فرمادی مگر ائمہ کرامؑ کی سیرت و ارشادات کی صحت کے بارے میں ایسی کوئی ضمانت و وعدہ نہ کیا گیا چنانچہ وہ تحریفات جن سے قرآن محفوظ رہا ان سے یہ ارشادات و روایات محفوظ نہ رہ سکیں۔ ائمہ کرامؑ سے منسوب یہ روایات کبھی حذف و نقص کا شکار ہوئیں کبھی کمی و زیادتی کا اور کبھی سیاق و سباق کے بغیر بیان کی گئیں۔

واقعۂ خونیں کربلا، جو تاریخ میں اپنی نوعیت، اپنے اہداف و مقاصد کے اعتبار سے منفرد حیثیت کا حامل ہے استعمار و استبداد کی سازشوں کا سب سے زیادہ شکار رہا۔ اس عظیم واقعہ کے اہداف و مقاصد ہمیشہ سے استعمار و طاغوت کے لیے چیلنج و خطرہ بنے رہے۔ چنانچہ ہر ممکن کوشش کی گئی کہ کسی طور ان اہداف و مقاصد میں تحریف اور رد و بدل کر کے اس واقعہ کے رخ کو یکسر تبدیل کر دیا جائے۔ اس ضمن میں دشمنوں نے جو کچھ کیا وہ اپنی جگہ مگر افسوس ان افراد پر ہے جو اپنے آپ کو حسینیؑ کہتے ہیں مگر اس انقلاب آفریں واقعہ میں تحریفات کرنے کا فریضہ بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔ کبھی اس واقعہ کی وہ تفسیر کرتے ہیں جو صریحاً آیات الٰہی و سیرت ائمہ کرامؑ سے متصادم و مخالف ہو اور کبھی اپنے تئیں امام حسینؑ کی بزرگی و برتری ثابت کرنے کی غرض سے ایسی تفاسیر کر ڈالتے ہیں جو ایک طرف تو دلائل و شواہد کے فقدان کا شکار ہیں تو دوسری جانب مزاج امامت

کے بھی سراسر منافی ہوتی ہیں۔

ہم اپنی اس مختصر سی پیشکش میں امام حسینؑ سے مروی مستند و معتبر اقوال و کلمات و خطبات کو ایک خاص ترتیب سے قارئین کے سامنے پیش کر رہے ہیں تاکہ خود امامؑ کے کلمات کی روشنی میں آپؑ کی سیرت کا مطالعہ کیا جا سکے۔

امید ہے کہ حق کے متلاشی اور قیام حسینیؑ کے اہداف سے آگاہی حاصل کرنے کے خواہشمند افراد ہماری اس کاوش سے مستفید ہو سکیں گے۔ ہمیں اپنی خامیوں اور کم مائیگی کا اعتراف ہے کیونکہ انسانی عقل جس قدر بھی کمال و رشد کے درجہ پر پہنچ جائے فہم و قلم کی غلطیوں سے پھر بھی محفوظ نہیں رہتی چہ جائیکہ ہم اپنی قلت علمی کے باوجود غلطیوں سے محفوظ رہیں۔

یہ کتابچہ دراصل عرصہ دراز سے ذہن کے پردے پر نقش تھا مگر اس میں موجود مواد پراگندہ و منتشر تھا۔ اس میں موجود مطالب کبھی موضوعِ درس بنتے تو کبھی مجالس و تقاریر میں ان کا تذکرہ ہو جاتا۔

بہت سے احباب کی خواہش تھی کہ ان مطالب کو منظم و مرتب کر کے یا تو کتاب کی شکل میں یا مقالہ کی شکل میں کسی مجلہ میں شائع کیا جائے۔ ایک طرف تو عدم فراغت اور گوناگوں مصروفیات اجازت نہ دیتی تھیں تو دوسری جانب عدم توانائی و قدرت اور اردو زبان سے کما حقہ آشنائی نہ ہونے کے سبب دوستوں کی اس خواہش کو پورا کرنے سے قاصر رہا۔

وجود خداوندی کی ایک سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ قادر مطلق ناامیدی و مایوسی کے درمیان امید و بیم کی کرن پیدا کرتا ہے اور یہی کچھ میرے ساتھ ہوا۔ اس سال کے آخری چند ماہ میں ایک تائید غیبی کے ذریعہ دو مختصر کتابچوں کی تالیف و تدوین کا کام مکمل ہو گیا۔

خداوند متعال نے کتابچہ بعنوان "آمریت کے خلاف ائمہ کرام کی جدوجہد" کے لیے جناب سید ابرار حسین رضوی کو مہیا فرما دیا۔ خداوند ذوالجلال کے اس عظیم کرم و احسان پر میں اس کا لاکھ لاکھ شکر گزار ہوں۔

اسی طرح زیر نظر کتابچہ "تفسیر عاشورا" کے لیے بھی دو احباب مہیا ہو گئے۔ اس کتاب کی تالیف میں یہ دو باایمان و متعہد نوجوان سید علی رضوان شاہ نقوی اور سید عباس کاظم زیدی میرے معاون و مددگار رہے۔ میرے ان عزیز دوستوں نے گزشتہ دو مہینوں میں نہ صرف راتوں کو بلکہ دنوں کو بھی "ایام قدر" بنا دیا۔ یہ ان ہی دو نوجوانوں کی کاوشوں اور کوششوں کا نتیجہ و ثمر ہے کہ یہ مجموعہ 'وجود ذہنی' سے وجود خارجی (کتابی صورت) اختیار کر گیا۔

اس عظیم خدمت کے لیے میں ان دونوں سے پہلے خداوند متعال کا شکر گزار ہوں کہ جس نے ان دونوں کے قلوب اور توجہات کو میری آرزو کی تکمیل کے لیے مبذول کیا۔ یقیناً وہی ذات ہے جو اپنے بندوں کو الطاف و اکرام سے نوازتی ہے۔

آخر میں قارئین کی خدمت میں اس قدر عرض ہے کہ اس کتاب میں ہم نے حتی الامکان اپنی ذاتی رائے کے اظہار سے گریز کیا ہے۔ ہماری کوشش یہ رہی کہ آیات و روایات کو تجزیہ و تحلیل کے بعد قارئین کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ تاکہ اگر قارئین کوئی تازہ اور نئی بات نہ بھی پائیں تو کتاب کی تنظیم و ترتیب اور استدلال کا اسلوب ان کے لیے قابل استفادہ ضرور ہو۔

فانہ ولی کل نعمۃ ومنتہی کل رغبۃ والیہ توکلت والیہ انیب

حسبنا اللہ نعم الوکیل نعم المولی ونعم النصیر

سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی

۹ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّآلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ

ابتدائیہ

خلقتِ حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک راہِ حق میں قربانیاں دینا اگرچہ انبیاء علیہم السلام وصالحین کا شعار رہا ہے لیکن ۱۰ محرم ۶۱ھ کا خونیں واقعہ جو صبحِ عاشور سے شامِ غریباں تک چند پہروں میں وقوع پذیر ہو گیا اپنے پیچھے فداکاری وجاں نثاری اور غم واندوہ کے وہ المناک اثرات چھوڑ گیا جس کی مثال اس سے قبل تاریخِ عالم میں کہیں نہیں ملتی اور نہ تاریخ کا قلم آئندہ اس قسم کے کسی واقعہ کو رقم کر سکے گا۔

یہ بھی اپنی جگہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ فرزندِ رسولؐ اپنے اور اپنے جاں نثاروں کے خون سے جو داستانِ غم رقم کر گئے اس کی یاد میں آج تک جتنے آنسو بہائے گئے اتنے آنسو شاید مجموعی طور پر انسانوں نے اپنے انفرادی رنج والم کے حادثات پر بھی نہ بہائے ہوں گے۔

اس المناک باب کا معجزاتی پہلو یہ ہے کہ آج بھی جب محرم کا چاند فلک پر نمودار ہوتا ہے تو یہ غم اپنے اندر وہی تازگی لیے پھر ابھر آتا ہے جیسے کہ یہ خونچکاں واقعہ کل ہی رونما ہوا ہو۔ جس طرح اس غم میں بہائے ہوئے اشکوں کا اندازہ ہونا ممکن نہیں اسی طرح واقعاتِ کربلا پر ہونے والی گفتگو اور لکھی جانے والی تحریروں اور کتابوں کو بھی احاطۂ شمار میں لانا ممکن نہیں۔ مفکرین و مفسرین نے اپنی اپنی فکروں اور زاویۂ نظر کے مطابق اس خونیں داستان کا تجزیہ کیا ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس کے علل و اسباب کا جائزہ لیا ہے۔

آئیے! واقعاتِ کربلا کے علل و اسباب کی مختلف تعبیروں اور تفسیروں پر ایک نظر ڈالیں اور تجزیہ و تحلیل کے بعد یہ نتیجہ اخذ کریں کہ ان میں سے کون سی تعبیر و تفسیر مقصدِ قیامِ امام حسینؑ سے قریب تر ہے اور حسینیؑ افکار سے من و عن مطابقت رکھتی ہے۔

اس سے پیشتر کہ ہم تجزیہ و تحلیل کا آغاز کریں ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ ہم کس مقتدر و بزرگ ہستی پر قلم اٹھا رہے ہیں۔ اہدافِ حسینؑ کی شناخت سے قبل حسینؑ کی شناخت اور پہچان ضروری ہے۔

ہمیں اپنے تجزیہ سے قبل حسینؑ کی فطرت، حسینؑ کی سیرت اور حسینؑ کی شخصیت کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ کیونکہ یہ حسینؑ کوئی معمولی اور عام شخصیت نہیں بلکہ یہ حسینؑ وہ ہے جو آدمؑ، نوحؑ و ابراہیمؑ کا وارث ہے۔ یہ حسینؑ وہ ہے جس نے آغوشِ ختمی مرتبتؐ میں آنکھیں کھولیں اور علمِ نبوت کو وراثت میں پایا۔ جس نے زہرا سلام اللہ علیہا کی پاک و منزہ گود میں پرورش پائی اور جس کی رگوں میں علیؑ شیرِ خدا کا خون گردش کر رہا ہے۔

یہ حسینؑ وہ ہے جو علیؑ کی شجاعت، سخاوت، علم، تدبر، سیاست اور

بصیرت کا وارث ہے۔ اس سے کیونکر ممکن ہے کہ وہ اضطرابی یا اتفاقی طور پر کربلا کا سفر اختیار کرے اور حالات ونتائج پر اس کی نظر نہ ہو۔ چنانچہ آئیے دیکھتے ہیں کہ کونسی تعبیر و تفسیر واقعات اور دلائل کی روشنی میں حقیقت سے قریب تر ہے۔

اس سے پیشتر کہ ہر ایک تفسیر کو تفصیلاً ملاحظہ کیا جائے ان تمام تر تفاسیر کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

تفسیرِ اتفاقی

اس تفسیر کے حامی مفکرین و مدرسین کی فکر کے مطابق واقعہ کربلا اتفاقی وحادثاتی طور پر رونما ہونے والے ایک واقعہ کا نام ہے چنانچہ اس واقعہ کے سلسلہ میں کسی قسم کی پیش بینی کرنا غیر معقول ہے۔ یزید نے زمام حکومت سنبھالتے ہی دیگر دنیاوی حکام کی طرح جلد بازی میں کچھ اقدام کیے جن میں سے ایک امام حسینؑ سے مطالبہ بیعت تھا۔

دوسری طرف امام حسینؑ جو درس و تدریس میں مشغول گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کے لیے یہ مطالبہ ایک اچانک وغیر متوقع واقعہ تھا۔ لہٰذا قیام حسینیؑ کے پیچھے کوئی سوچا سمجھا پروگرام ومنصوبہ نہ تھا بلکہ اتفاقی واچانک کیے جانے والے اس مطالبہ نے اس قدر گمبھیر شکل اختیار کر لی کہ جس کے نتیجہ میں کربلا کا خونین واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

تفسیرِ طبقاتی

اس تفسیر کے حامی مفکرین کے نظریات وافکار کی رو سے واقعہ کربلا دراصل معاشرۂ انسانی میں پائے جانے والے دو طبقات کا تصادم تھا جس میں

سے ایک طبقہ محروم و مستضعف افراد پر مشتمل تھا تو دوسرا حاکم و مستکبر افراد پر۔ اسی تفسیر کے بعض حامی اس واقعہ کو دو خاندانوں بنی امیہ و بنی ہاشم کی دیرینہ کشمکش اور رقابت کا نتیجہ گردانتے ہیں جن میں سے ایک خاندان اقتدار و جاہ و سلطنت پر قابض تھا تو دوسرا اس منصب و ولایت سے محروم کر دیا گیا تھا۔

تفسیرِ فدا

حادثۂ کربلا کی یہ تفسیر جو "تفسیرِ فدا" کے نام سے موسوم ہے واقعہ کربلا کی توجیہ اس انداز میں کرتی ہے کہ بعدِ پیمبرؐ امت میں عصیان و نافرمانی روز بروز بڑھ رہے تھے اور جب حسینؑ نے دیکھا کہ امتِ جد گناہ و عصیان کے سیلاب میں اس بری طرح پھنسی ہوئی ہے کہ روزِ آخرت اس کی نجات کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا تو آپؑ نے میدان کربلا میں اپنی اور اپنے عزیز و انصاران کی قربانی پیش کرکے خداوند متعال سے اس عظیم قربانی کے بدلے حقِ شفاعت حاصل کر لیا تاکہ اس طور امتِ جد کے عاصی و گنہگار افراد کو آتشِ جہنم سے نجات دلا سکیں دوسری طرف امت آپؑ پر اور آپؑ کے اعزا و انصاران پر گریہ و زاری کرکے اور آنسوؤں اور مال کا نذرانہ پیش کرکے روزِ محشر آپؑ کی شفاعت کی حقدار بن سکتی ہے۔

تفسیرِ غیبی

اس تفسیر کی رُو سے عالمِ غیب میں خدا اور حسینؑ کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا تھا جس کی رو سے امام حسینؑ کو ایک طے شدہ پروگرام ولائحۂ عمل کے تحت سرِ تسلیم خم کرنا تھا جس کے نتیجے میں واقعہ کربلا رونما ہوا۔

بالفاظِ دیگر قیامِ حسینیؑ کا اصل محرک وسبب ایک ندائے غیبی کی بجاآوری کے سوا کچھ نہیں۔ کتابِ قدرت نے ان تمام تر واقعات وحادثات کو پہلے ہی تحریر کر لیا تھا اور حسینؑ کا کام فقط اتنا تھا کہ اس معین شدہ پروگرام کو حقیقت کا روپ دے دیں۔

چنانچہ اس واقعہ خونیں کی کوئی اور توجیہ کرنا اور اس کے دنیاوی علل و اسباب کا تلاش کرنا غیر معقول ہے۔

تفسیرِ اخلاقی

اس تفسیر کی رُو سے کسی بھی بافضیلت و بامنزلت شخص کا کسی ذلیل وپست شخص کے آگے جھک جانا عقلاً واخلاقاً ایک غیر معقول بات ہے چنانچہ امام حسینؑ کا یزید کے ہاتھوں پر بیعت کر لینا اس تقاضۂ عقلی واخلاقی کے اصول کے منافی تھا۔ اسی لیے جب یزید نے امام علیہ السلام سے بیعت کا مطالبہ کیا تو آپ نے اپنی بزرگی وفضیلت کے پیشِ نظر اس مطالبے کو مسترد کر دیا اور جس کے نتیجے میں یہ حادثہ وجود میں آیا۔ یعنی اگر یزید بیعت کا مطالبہ نہ کرتا تو امامؑ اس کے خلاف قیام نہ فرماتے۔ آپؑ کے قیام فرمانے کا واحد سبب یزید کا مطالبۂ بیعت تھا جو عقلی واخلاقی اعتبار سے سراسر غیر معقول تھا۔

تفسیرِ سیاسی

اس تفسیر نے قیامِ حسینؑ کی ایک سیاسی تعبیر کی جس کی رُو سے امام حسینؑ بنی امیہ خصوصاً یزید کو خلافت وولایتِ مسلمین کا حقدار نہ سمجھتے تھے اور آپؑ

کے قیام کا ہدف و مقصد اصلاحِ قیادت کے ذریعہ اصلاحِ امت تھا چنانچہ اسی لیے آپؑ نے اپنی تحریک کے ہر ہر لمحہ پر صالح قیادت کے فقدان اور امت پر حکام کے مظالم کا تذکرہ فرمایا۔ ساتھ ساتھ ایک صالح قائد کی خصوصیات بیان فرمائیں اور پھر اپنے آپؑ کو اس منصب کے صحیح حقدار کے طور پر امت کے سامنے پیش کیا۔ امام حسینؑ کی تحریک نہ صرف آپؑ کے خروجِ مدینہ سے بلکہ اس سے بھی پہلے سے ایک سیاسی رنگ میں ڈھلی ہوئی تھی اور اس قیام کے تمام تر شواہد ایک حرکتِ سیاسی و انقلابِ سیاسی کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔

تفسیرِ طلبِ شہادت

قیامِ حسینیؑ کی اس تعبیر و تفسیر کی رُو سے امام حسینؑ نے مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا تک جتنے بھی اقدامات کیے ان سب میں حصولِ شہادت کا مقصد و ہدف آپؑ کے پیشِ نظر رہا۔ اس تحریک کے ہر ہر لمحہ پر جو جذبہ کارفرما نظر آتا ہے وہ شہادت کے بلند و بالا مقام کے حصول کی خواہش و آرزو ہے۔ امام حسینؑ نے اپنے قلیل تعداد اعوان و انصار کے ساتھ سفرِ کربلا فقط اس لیے اختیار فرمایا تاکہ بافضیلت و بامنزلت مرگِ سرخ شہادت کے بلند و بالا درجہ پر فائز ہو سکیں۔

تفسیرِ احیائے ضمیر

قیامِ حسینیؑ کی اس تفسیر کی رُو سے بنی امیہ کے بیس سالہ غاصبانہ دورِ حکومت میں حکومت کے شکنجہ اور ظلم و ستم کے نتیجہ میں امت کی حس اور اس کا ضمیر مُردہ ہو چکا تھا۔ دوسری طرف معاشی آسودگی نے اس بے حسی میں مزید اضافہ

کر دیا۔ امام حسینؑ یہ جانتے ہوئے کہ اس قیام و سفر کے نتیجہ میں آپؑ شہید کر دیے جائیں گے آگے بڑھے اور جام شہادت نوش فرمایا تاکہ اپنی اس نہضت اور اس نہضت کے نتیجہ میں وقوع پذیر ہونے والی اپنی شہادت کو ایک وسیلہ بنا کر انسانی ضمیر میں ایک تلاطم و ہیجان برپا کر دیں تاکہ ظلم و استبداد کے خلاف سوئے ہوئے ضمیر اس انفجار سے جاگ اٹھیں۔

ان تفاسیر کے مختصر بیان کے بعد اب ہم ہر ایک تفسیر پر مفصل بحث کریں گے۔ تفاسیر کی حمایت اور رد میں دیے جانے والے دلائل و شواہد کا تذکرہ کریں گے اور بجائے اس کے کہ ہم دیگر افراد کے بیانات پر تکیہ کریں ہم خود امام حسینؑ کے کلمات و ارشادات کی روشنی میں یہ دیکھیں گے کہ کون سی تفسیر باطل ہے اور کون سی صحیح۔



تفسیرِ اتفاقی

اس تفسیر کی رُو سے قیامِ حُسینؑ و معرکۂ کربلا ایک اتفاقی و اچانک حادثہ تھا اور امام حسینؑ اور یزید ہر دو جانب سے اس واقعہ کے لیے کوئی پیش بندی نہیں کی گئی تھی۔ جس طرح ایک حکمران حصولِ اقتدار کے بعد بغیر کسی پیش بندی و پلاننگ کے کچھ اقدامات کرتا ہے بسا اوقات جن کے غیر مطلوبہ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اسی طرح یزید نے بھی کیا۔

یزید جو لہو و لعب اور عیش و عشرت میں پرورش پانے والا ایک شخص ہے، حکمران بنتے ہی بغیر کسی پیش بندی و مشاورت کے والیٔ مدینہ کو خط لکھتا ہے کہ لوگوں سے بیعت لو اور اسی ضمن میں امام حسینؑ سے بھی مطالبۂ بیعت کا حکم دے بیٹھتا ہے۔

دوسری طرف امام حسینؑ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپؑ کے

اوقات خداوند متعال سے راز و نیاز اور اُمت کی اخلاقی و شرعی تعلیم میں صرف ہو رہے ہیں کہ اچانک آپؑ سے بیعتِ یزید کا مطالبہ ہوتا ہے۔ آپؑ اس مطالبہ کو اپنی عظمت و بزرگی اور قربتِ رسولؐ سے متصادم پاتے ہیں چنانچہ اس مطالبہ کو رد فرما دیتے ہیں۔

آپؑ کے انکارِ بیعت سے یزید اور آپؑ کے درمیان کشمکش کا آغاز ہوتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ کشمکش اس قدر بڑھتی ہے کہ ایک خونیں حادثہ اس کا انجام قرار پاتا ہے جس کے نتیجے میں امام حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب شہید ہو جاتے ہیں اور یزید اپنے آپ کو فاتح تصور کرتا ہے۔

تفسیرِ اتفاقی پر اعتراضات

ہم اس تفسیر کو ہر دو طرف سے باطل و غلط قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ اقدام نہ یزید کے لیے اتفاقی و اچانک تھا اور نہ امام حسینؑ پر کوئی اتفاقی اُفتاد آن پڑی تھی۔

الف: یہ عظیم حادثہ یزیدی حکومت کے کسی غیر دانشمندانہ و عجلت میں کیے گئے فیصلہ کا نتیجہ نہ تھا بلکہ بنی اُمیہ خصوصاً معاویہ سالہا سال سے اس کی پیش بندی و منصوبہ بندی کرتے رہے تھے۔

معاویہ نے اپنے مرنے سے قبل یزید کو وصیت کرتے ہوئے کہا:

"اہلِ عراق کی طرف خاص توجہ دینا، اگر وہ چاہیں کہ تم ہر روز ان کے لیے ایک نئے گورنر کا تقرر کرو تو ایسا ہی کرنا کیونکہ ایک گورنر کا ہٹانا تمھارے لیے کہیں سہل و آسان ہے اس سے کہ ایک لاکھ تلواریں تمھارے خلاف نیام

سے باہر آجائیں۔ البتہ چند شخصیات کی وجہ سے
میں تمہارے بارے میں تشویش میں مبتلا
ہوں......"

اس کے بعد معاویہ ان شخصیات میں سے ہر ایک کا نام لے کر ان کے بارے میں تبصرہ کرتا ہے۔ انھیں شخصیات میں ایک نام حسین بن علیؑ کا ہے۔ آپؑ کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ :

"......حسینؑ ایک ایسی شخصیت ہے جو بے حد
خفیف ہے۔ اہلِ عراق اس کا پیچھا نہ چھوڑیں گے اور
اسے حجاز سے نکالے بغیر دم نہ لیں گے۔ اگر وہ حجاز
سے خروج کریں اور تم ان پر غالب آجاؤ تو ان سے
صرفِ نظر کرنا کیونکہ وہ پیغمبرؐ سے رشتۂ قرابت
رکھتے ہیں۔" [۱]

معاویہ کے ان بیانات سے واضح ہے کہ بنی اُمیہ امام حسینؑ سے مستقبل قریب میں ایک بڑے تصادم کی پیش بینی کر رہے تھے۔

ب : اسی طرح یزید نے خلیفہ بنتے ہی اہلِ شام سے خطاب کرتے ہوئے کہا :

"ہم اہلِ حق اور دین کے انصار ہیں۔ تمھارے لیے
بشارت ہو اے اہلِ شام! کہ خیر ہمیشہ تمھارے
درمیان رہا، تمھارے اور اہلِ عراق کے درمیان ایک
خونریزی ہونے والی ہے کیونکہ میں نے ۳ یوم قبل
ایک خواب دیکھا کہ میرے اور اہلِ عراق کے درمیان

خون کا ایک دریا بہہ رہا ہے۔ میں نے کوشش کی کہ
اس کو پار کر لوں مگر ایسا نہ کر سکا یہاں تک کہ ابن زیاد
وارد ہوا اور میرے سامنے سے اس دریا کو پار کر گیا
اور میں اسے دیکھتا رہ گیا۔" ۲؎

اپنے اس خطاب میں یزید نے اپنی اور اپنے باپ کی پرانی منصوبہ بندی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک جھوٹے خواب کو لوگوں کو سُنا کر ان کو اس واقعہ کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنے کی کوشش کی۔

ج : جب جناب مسلم بن عقیلؑ کوفہ وارد ہوئے تو حامیانِ بنی امیہ نے یزید کو حالات کی سنگینی سے آگاہ کیا اور نعمان بن بشیر کی کمزوری و مفلوجی کا ذکر کیا۔ یزید نے ان اطلاعات کے ملتے ہی کاتب معاویہ سرجون کو طلب کیا اور اس سے مشاورت کی۔ جب یزید نے سرجون سے مطالبہ کیا کہ وہ کوفہ کے بارے میں کوئی مشورہ دے تو اس پر سرجون بولا :

" اگر میں ایسا مشورہ دوں جو تمھاری مرضی کے برخلاف
ہو تو کیا اسے قبول کر دگے ؟"

اس پر یزید نے کہا :

" مجھے بتلاؤ، گو کہ میری مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو"

تب سرجون نے عبیداللہ ابن زیاد کا نام لیا۔ یزید نے کہا کہ چھوڑو کسی اور کا نام لو۔ اس پر سرجون نے کہا :

" اگر معاویہ موجود ہوتے اور وہ بھی آپ کو یہی مشورہ
دیتے تو کیا آپ اسے قبول کرتے ؟"

یزید نے جواب دیا : " ہاں " ۳؎

یزید کے جواب پر سرجون نے معاویہ کا ایک خط نکالا اور یزید کو دکھایا۔ اس خط میں عبیداللہ ابن زیاد کو گورنر کوفہ بنانے کے احکامات درج تھے اور آخر میں معاویہ کی مہر ثبت تھی۔
معاویہ کا یہ خط ظاہر کرتا ہے کہ خاندان بنی امیہ اس واقعہ وحادثہ کی پیش بندی کر چکا تھا۔

اوپر بیان کردہ شواہد سے واضح وروشن ہے کہ یزید وحکومت بنی اُمیہ کے لیے یہ واقعہ کوئی اتفاقی وغیر متوقع حادثہ نہ تھا بلکہ وہ عرصۂ دراز سے اس کی پیش بینی ومنصوبہ بندی کر رہے تھے۔
دوسری طرف امام حسینؑ کے لیے بھی یہ کوئی نئی اور ہنگامی پیش آمد نہ تھی آپؑ بھی اس خون آشام دن کا مدتوں سے انتظار فرما رہے تھے۔ ہمارے اس بیان کے شواہد وگواہ ذیل میں درج ہیں :
الف: امام حسنؑ کی شہادت کے فوری بعد اہلِ کوفہ وشیعیانِ کوفہ نے امام حسینؑ کے نام ایک خط روانہ کیا جو مندرجہ ذیل دو نکات پر مشتمل تھا:

(۱) ـــ شہادتِ امام حسنؑ پر تعزیت۔

(۲) ـــ دعوتِ نہضت وقیام۔

خط کا مضمون کچھ اس طرح سے تھا۔

"خداوندِ متعال نے آپؑ کو ہمارے لیے بہترینِ گزشتگان کا خلف ووارث قرار دیا۔ ہم آپ کے شیعوں میں سے ہیں آپؑ کے حزن وغم اور خوشی میں برابر کے شریک ہیں۔ ہم آپؑ کے احکامات کے منتظر ہیں۔" ؎

اسی مضمون کا ایک خط بنو جعدہ بن ھبیرہ نے بھی تحریر کیا۔
امام حسینؑ نے اس خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

"میں خدا سے امید رکھتا ہوں کہ صلح کے بارے میں میرے بھائی کی رائے اور ظالم سے جہاد کے بارے میں میرا موقف دونوں رشد و ثواب پر مبنی ہیں۔ تم زمین سے مل جاؤ اور اپنے تشخص کو مخفی رکھو، ہدایت کے ملتمس رہو جب تک کہ فرزند ہند (معاویہ) زندہ ہے۔ ہاں اگر کوئی حادثہ واقع ہوا اور میں اس وقت زندہ ہوا تو انشاء اللہ میرا حکم تم تک پہنچ جائے گا۔" [۵]

ب: امام حسنؑ کی شہادت کے بعد اہل کوفہ نے بے تحاشا خطوط امام حسینؑ کو روانہ کیے حتیٰ کہ محمد ابن بشیر ہمدانی، سفین بن لیلی ہمدانی اہل کوفہ کی جانب سے آخری خط لے کر وارد مدینہ ہوئے امامؑ نے اس خط کے جواب میں ایک مکتوب تحریر فرمایا جس کا مضمون یہ ہے:

"تم میں سے ہر ایک اپنے گھر کے کونوں میں چھپ کر رہے اس وقت کہ جب تک یہ شخص (معاویہ) زندہ ہے اگر یہ ہلاک ہو جائے اور تم زندہ رہے تو مجھے امید ہے کہ خدا ہمارے لیے خیر کا انتخاب کرے گا اور ہماری ہدایت تم تک پہنچے گی خدا ہمیں اپنے نفوس پر نہ چھوڑے گا۔ بے شک خدا متقین کے ساتھ ہے جو احسان کرتے ہیں۔" [۶]

ان دو خطوط کے مضامین سے واضح و روشن ہے کہ امام حسینؑ کے لیے یہ کوئی ہنگامی صورتحال نہ تھی جو اتفاقاً و غیر متوقع طریقہ پر وارد ہوئی ہو بلکہ امامؑ اس دن کے منتظر تھے۔

چنانچہ یہ تفسیرِ اتفاقی واقعہ کربلا کی ایک باطل و غلط توجیہ و توضیح ہے۔



تفسیرِ طبقاتی

اس تفسیر کے حامی مفکرین دو گروہوں پر مشتمل ہیں۔ایک گروہ علمائے اجتماع کا ہے اور دوسرا علمائے مارکسیت کا۔

علمائے مارکسیت کی فکر کے مطابق ہر معاشرہ دو طبقات پر مشتمل ہوتا ہے اور ان دو طبقات کے درمیان پایا جانے والا نزاع معاشرہ و تاریخ کے پہیے کو آگے کی جانب گھمانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ایک طبقہ مزدور و محکوم افراد پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ دوسرا گروہ حاکم و مالکانِ سیم وزر پر مشتمل ہوتا ہے۔اصطلاحِ مارکسزم میں ایک گروہ کو پرولتاری اور دوسرے کو بورژوا کہتے ہیں۔

تاریخ کی حرکت کے ساتھ ساتھ پرولتاری اور بورژوا طبقے میں تضاد بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ ایک دن وہ آتا ہے کہ جب پرولتاری طبقہ بورژوا طبقہ کے خلاف قیام کرتا ہے چنانچہ امام حسینؑ کا قیام بھی اسی معاشرتی نزاع و تضاد کا

نتیجہ ہے جس میں ایک محکوم و مجبور طبقہ نے حاکم طبقہ کے خلاف قیام کیا۔
دوسری طرف علمار اجتماع کی رُو سے واقعہ کربلا دو خاندانوں دو قبیلوں اور معاشرے میں پائے جانے والے دو طبقات کا تصادم تھا۔ بنی ہاشم و بنی امیہ کا دیرینہ تضاد واقعہ کربلا کی صورت میں منتہی ہوا۔
سرزمین حجاز میں ورودِ اسلام کے بعد اقتدار و حکومت پر قبیلۂ بنی ہاشم متمکن ہوا اور بنی امیہ کو بنی ہاشم کے پرچم تلے آنا پڑا۔ خلیفۂ سومؓ کے اقتدار پر آنے کے بعد حکومت پر بنی امیہ کی بالادستی و تسلط کا آغاز ہوا اور صلح امام حسنؑ کے بعد تمام تر قوت و طاقت، مملکت و سلطنت بنی امیہ کے ہاتھوں میں آ گئی علمار اجتماع کی فکر کے مطابق بنی ہاشم اپنے کھوئے ہوئے اقتدار و سلطنت کے حصول کی کوششیں کرتے رہے اور اقتدار پر قابض قبیلۂ بنی امیہ کو اپنا حریف و دشمن سمجھتے رہے۔ یہ دشمنی اور تضاد اس قدر بڑھا کہ ۶۰ھ میں مرگ معاویہ کے بعد براہ راست تصادم و جنگ کی صورت اختیار کر گیا۔
یہ معرکہ سرزمین کربلا میں ۶۱ھ میں برپا ہوا جس میں خاندان بنی امیہ ظاہراً فاتح اور خاندانِ بنی ہاشم شکست سے دوچار ہوا۔ ؎
علمار مارکسیت و علمار اجتماع کے بیانات کے بعد ہم ان شواہد و دلائل کا ایک مختصر و جامع خاکہ پیش کریں گے جو ان دو گروہوں کی جانب سے اپنے موقف کی حمایت میں پیش کیے جاتے رہے۔

الف: اسلام کے آنے سے قبل عرب کا معاشرہ ایک طبقاتی معاشرہ تھا۔ اسلام کے آنے کے بعد گو کہ ان طبقات کو آپس میں قریب لانے کی کوشش کی گئی۔ مگر یہ طبقاتی و غیر مساوی نظام کسی نہ کسی شکل میں برقرار ضرور رہا

جس کا واضح ثبوت خلیفہ دوئم کا بیت المال کی تقسیم کا اصول تھا جس میں خلیفہ دوئم نے مہاجرین قریش کو غیر قریش پر، مہاجرین کو انصار پر، انصارِ عرب کو غیر عرب پر فوقیت دی۔

پس صدرِ اسلام کا اسلامی معاشرہ ایک طبقاتی معاشرہ تھا اور معاشرہ میں پائے جانے والے طبقات کے بارے میں مارکس اور علما اجتماع کے افکار اس معاشرہ پر بھی لاگو تھے۔ چنانچہ یہ طبقاتی معاشرہ بھی ایک طبقاتی نزاع کا شکار تھا جس نے وقت کے ساتھ ساتھ سنہ ۶۱ھ میں میدان کربلا میں ایک طبقاتی جنگ کی صورت اختیار کرلی۔

ب : یزید ابنِ معاویہ جو اس جنگ کا ایک حریف ہے اس کے بیانات و کلمات اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ وہ خاندان رسولؐ سے اپنے دیرینہ خاندانی بدلے چکانا چاہتا ہے۔ وہ ایک طبقاتی فکر کے ساتھ ایک طبقاتی جنگ میں ملوث ہے۔

جب اسیرانِ کربلا کا لٹا پٹا قافلہ شام کے باب جیرون پر وارد ہوا، یزید باب جیرون پر کھڑا اس نظارہ سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ اچانک ایک کوّے نے آواز دی۔

کوّے کی آواز سُن کر یزید بولا :

"تم صحیح ہو یا نہ میں نے تو اپنے قرضہ کو نبی سے چکا لیا۔" ؎

تفسیرِ طبقاتی پر اعتراضات

نمبر۱: یہ تفسیر و نظریہ عقیدۂ توحید و نبوت و امامت اور آیاتِ الٰہی کی صریح مخالفت کرتا ہے۔ آیاتِ قرآنی نے واضح و روشن طریقہ پر قومیت اور طبقاتی فکر کو نجس و باطل قرار دیا ہے۔ خود پیغمبر اکرمؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

"کبر و نخوت کے نعرے ہمارے مذہب سے باہر ہیں۔"

چنانچہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اہلِ بیتِ اطہارؑ جو حاملِ عصمت و طہارت ہیں اور ہر رجز و نجاست سے پاک و منزّہ ہیں ایک ایسے مقصد و نظریہ کے تحت قیام کریں جو باطل ہو۔

نمبر۲: دعوتِ پیغمبرؐ کے کسی بھی لمحہ میں طبقاتی و خاندانی امتیازات کارفرما نظر نہیں آتے۔ آپ کا جناب سلمان فارسیؓ کو اہل بیت میں اور ابولہب کو کافر قرار دینا ایک واضح و روشن دلیل ہے اسی طرح حجۃ الوداع کا خطبہ دعوتِ اسلام میں کسی بھی طبقاتی خاندانی یا قومی افکار کی مطلقاً نفی کرتا ہے۔

نمبر۳: اگر حادثہ کربلا ایک قبائلی اور خاندانی جنگ تھی تو اس جنگ کی ابتدا اور مقامِ جنگ کو ایسی جگہ پر ہونا چاہیے تھا جو ان دو قبائل کے رہنے کی جگہ سے قریب تر ہو۔ چنانچہ یہ جنگ یا تو مکہ میں ہونی چاہیے تھی یا مدینہ میں کہ جہاں یہ دو خاندان قیام پذیر تھے۔

دوسری طرف جب ہم اس معرکہ کے فریقین میں سے ان افراد کو دیکھتے ہیں جنھوں نے اس جنگ میں شرکت کی تو ایک واضح اکثریت ان افراد

کی نظر آتی ہے کہ جوان دو خاندانوں میں سے کسی ایک سے بھی کوئی تعلق و رشتۂ قربت نہ رکھتے تھے۔ ان افراد کی میدانِ کارزار میں موجودگی ظاہر کرتی ہے کہ یہ دو خاندانوں کے مابین لڑی جانے والی جنگ نہ تھی۔

نمبر۴: امام حسینؑ کو قیام کی دعوت دینے والے کوفی ہیں جو نہ خاندانِ بنی ہاشم سے تعلق رکھتے ہیں نہ بنی امیہ سے، داعیانِ انقلاب کا غیر ہاشمی ہونا اس طبقاتی فکر کی نفی کرتا ہے۔

نمبر۵: امام حسینؑ کے مدینہ سے خروج سے لے کر کربلا تک اور اسیرانِ کربلا کے کربلا سے لے کر شام تک کے سفر کے دوران میں ان باعظمت و بزرگوار ہستیوں نے جتنے بھی خطبات ارشاد فرمائے اور کلمات و بیانات ادا کیے ان سب کے مطالعہ کے بعد کسی بھی مقام پر ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ ان پاک و منزہ شخصیات نے اپنے عشیرہ یا خاندان کے لیے قیام کیا ہو۔
یزید کی جانب سے شاید یہ فکر بھی کسی حد تک کارفرما رہی جیسا کہ اس کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے مگر امام المسلمین امام حسینؑ کی جانب سے کبھی بھی اس قسم کی باطل و نجس فکر کا اظہار نہ کیا گیا۔

نمبر۶: دوسری طرف جہاں فکر مارکسی کی تفسیر کا تعلق ہے اس کے مطابق قیام حسینیؑ بورژوا کے خلاف ایک قیام پرولتاری ہے۔ اس نظریہ کی رد میں مندرجہ ذیل دلائل پیش خدمت ہیں۔
مارکسی انقلاب کے داعی ایک قیام پرولتاری کو خوشش آئند مستقبل اور

فتح و کامرانی کی نوید دیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ماضی کے تاریک دور سے نفرت و دوری کا اظہار کرتے ہیں جبکہ انقلاب کربلا کے پیشوا و رہنما کا پیام انقلاب ہی یہ تھا کہ آپؑ امت کے ماضی کو عظمت و بزرگی کا معیار قرار دیتے تھے وہ ماضی جو صدر اسلام میں رسول اکرمؐ کے ہاتھوں برپا کردہ زمانہ تھا۔ امام حسینؑ نے تو اپنے جد بزرگوار اور اپنے والد گرامی کی سیرت پر عمل پیرا ہونے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ آپؑ نے تو تحریک کے کسی بھی مرحلہ پر اپنے ماضی سے برأت و دوری کا اظہار نہ فرمایا۔

نمبر: جیسا کہ بیان کیا گیا کہ داعیان مارکسزم امت کو ہمیشہ ایک درخشاں مستقبل کی نوید دیتے ہیں۔ لیکن انقلاب حسینؑ اپنی نوعیت کا ایک واحد انقلاب ہے جس میں داعی انقلاب اور اس کے حامی و انصار ہمہ وقت دنیا کی آسائشوں اور راحت سے درگزر کا تذکرہ کرتے رہے۔ رضائے خداوندی کا حصول ان کا مطمع نظر رہا اور ذکر خدا ان کے ورد زبان رہا۔

چنانچہ اسی لیے مکہ سے روانگی کے وقت آپؑ نے فرمایا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہم شہید ہو جائیں گے۔ لیکن ہماری رضا رضائے خداوندی میں مضمر ہے۔

اسی طرح جب بانی انقلاب عاشورا نے شب عاشور اپنے انصاران و جانثاران کو نوید شہادت دی تو ان بندگان خدا کے چہروں پر ایک آفاقی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

نمبر ۸ : امام حسینؑ فرزند بانیٔ اسلام اور محافظ شریعت ہیں۔ آپؑ کے بیت شرف سے مروی ہے :

" جو لوگ ہم سے تعلق و محبت رکھتے ہیں وہ فقر و فاقہ کے لیے آمادہ ہو جائیں "

اسی طرح بانیٔ اسلام کا فرمان ہے کہ :

" فقراء عیالِ خدا ہیں اور اغنیاء وکیلِ خدا ہیں "

چنانچہ وہ شخصیات جو اس فکر کی حامل ہوں مارکسی اصولوں کے تحت کس طور معاشی و اقتصادی نعروں کا احیاء کر سکتی ہیں۔ ان کو زیب نہیں دیتا کہ یہ زر و زیور اور اقتصادی عوامل کے لیے انقلاب برپا کریں۔ امام حسینؑ نے مدینہ سے کربلا تک کسی بھی مقام پہ اپنے انصار و اعوان کو کبھی بھی کسی اقتصادی انقلاب کی نوید نہیں دی۔

نمبر ۹ : جیسا کہ بیان کیا گیا کہ داعیانِ فکر مارکسی پرولتاری انقلاب کو ہمیشہ ایک فاتح اور کامران انقلاب بتاتے ہیں۔ جبکہ قیامِ حسینیؑ بظاہر ایک شکست خوردہ انقلاب ہے جس میں سرمایہ و اقتدار بدستور حاکم طبقہ کے ہاتھ میں رہا۔ محروم و مستضعف طبقہ محرومیت ہی کی زندگی بسر کرتا رہا چنانچہ اس انقلاب کو اقتصادی عوامل کا نتیجہ بتانا بھی سراسر غلط ہے۔

نمبر ۱۰ : مارکسزم کے حامی الحاد پرست و منکرین قیامت ہیں۔ عاشق خدا ، مجسمۂ رضائے خدا ، حسینؑ بن علیؑ کے قیام کی مارکسی تعبیر دراصل سادہ لوح و کم فکر عاشقانِ حسینؑ و شیفتگانِ سرورِ شہیدان کو مارکسزم کے باطل اصولوں

کی طرف مائل کرنے کی ایک مذموم مگر ناکام کوشش ہے۔

ان تمام تر بیانات و دلائل کی روشنی میں قارئین پر یہ بات واضح و روشن ہو گئی ہوگی کہ یہ نظریہ و فکر ایک باطل تفسیر ہے۔ اس تفسیر کے حامل اشخاص وہ لوگ ہیں جنھیں ذکر حسین ؑ اور قیام حسینی ؑ کے اصل اہداف و مقاصد سے خطرہ لاحق تھا چنانچہ انھوں نے اس حیات آفرین انقلاب کو ایک قبائلی و خاندانی رنگ دے کر محدود کرنے کی ایک ناکام کوشش کی۔



تفسیرِ فدا

ایک نظریہ یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے قیام فرمایا، شہید ہوئے اور اہل وعیال کو اسیر کرایا تاکہ امتِ جد کے گناہ گار، عاصی اور مجرمین کے گناہوں کو بخشوائیں چاہے وہ گناہ و عصیان ریگستان کے ذرّوں کی تعداد اور سمندر کے قطرات کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

گویا امام حسینؑ نے گناہ گار اور مجرم امت کے ساتھ انشورنس (INSURANCE) کا معاملہ کیا کہ جتنے بھی گناہ کرو اگر میرے اور میرے اہل وعیال کے مصائب پر پرِ مگس تر ہونے کے برابر بھی آنسو بہاؤ تو میں تمھارے گناہوں کو بخشوالوں گا۔

اس نظریے کے حامل افراد اپنے اس نظریے کی دلیل میں امام حسینؑ سے منسوب کرکے ایک قول نقل کرتے ہیں جو یہ ہے کہ امام حسینؑ نے اپنے مقتل میں خدا سے یہ مناجات کی کہ:

"پالنے والے! میں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور خود کو اور
اپنے عزیزوں کو تیری راہ میں قربان کیا تو بھی اپنا وعدہ
پورا فرما اور میرے جد کی امت کو بخش دے۔" ۹ے

چنانچہ اس نظریے کے حامل لوگ کہتے ہیں کہ:

"جب تمھارے گناہ اور عصیان کے سیلاب سے نجات
کے لیے حسینؑ سفینۂ نجات ہوں تو اے شیعو! تمھیں پھر
کیا غم ہے؟"

اس نظریے اور تفسیر کے غلط اور بے بنیاد ہونے کی کوئی دلیل قائم کرنے سے پہلے یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ اس تفسیر کی کوئی سند یا حدیث نہ پیغمبر اکرمؐ سے مروی و ثابت ہے نہ ائمۂ اطہارؑ میں سے کسی سے۔ بجز اس جملے کے جو مقتل کربلا میں امامؑ نے فرمایا اور اس کا راوی بھی شمر ابن ذی الجوشن ہے یا اس نظریے کی دلیل میں سیاق و سباق کو حذف کر کے ان روایات کو پیش کیا جاتا ہے جو ائمہ اطہار نے روحِ قیامِ حسینیؑ اور اہدافِ قیامِ حسینیؑ کو زندہ رکھنے کے لیے ارشاد فرمائیں۔ لیکن کسی روایت کے سیاق و سباق سے اگر صرفِ نظر کیا جائے تو معنی میں بہت بڑی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر کسی بھی روایت یا آیت کا پہلا یا آخری حصہ حذف کر کے پیش کیا جائے تو معنی یکسر بدل جاتے ہیں اور مفہوم بالکل برعکس ہو جاتا ہے۔

چنانچہ یزید ابن معاویہ نے شراب کے جواز میں استدلال کرتے ہوئے کہا کہ:

"خدا نے قرآن میں فرمایا ہے کہ نماز کے نزدیک مت جاؤ۔ یہ
نہیں فرمایا کہ شراب کے قریب مت جاؤ۔"

جب کہ آیت کا آخری حصہ یہ ہے جبکہ تم نشہ کی حالت میں ہو یعنی تم نشہ کی حالت میں نماز کے نزدیک مت جاؤ۔

اسی طرح گریہ و بکار کے سلسلہ میں جو روایات ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ انسان امام حسین علیہ السلام کی حقانیت کو سمجھ کر صفِ حسینیؑ میں شامل ہو جائے اور ظالم و جابروں سے دوری اختیار کرے۔

اگر کوئی شخص خود کو ظالم اور جابر کی صفوں میں رکھے یا خود ظالم و جابر ہو کر امام حسینؑ پر روئے تو یہ روایات اس پر منطبق نہیں ہوں گی بلکہ مندرجہ ذیل چند وجوہات کی بنا پر یہ تفسیر باطل ہے۔

تفسیرِ فدا پر اعتراضات

نمبر۱: یہ مخالفِ قانون فدا اور تفدیہ ہے۔ قانونِ فدا یہ ہے کہ ہر پست اور حقیر درجے کی چیز اپنے سے بلند و بالا وجود کے لیے قربان اور فدا ہوتی ہے۔

مثلاً ہزاروں بلکہ لاکھوں من اور ٹن کی تعداد و مقدار میں نباتات حیوانوں کے لیے فدا ہوتے ہیں اور وہ اپنی نباتیت کھو کر حیوانوں کی غذا بنتے ہیں تاکہ وہ خود فنا ہو جائیں اور وہ حیوان زندہ رہیں۔

ہزاروں حیوانات روزمرّہ ذبح ہو کر انسان کی بقا اور حیات کے لیے فدا ہو جاتے ہیں۔

ہزاروں جاہل اور نادان انسان، عالم و دانا انسان کی بقا کے لیے اپنے آپ کو قتل ہونے کے لیے پیش کر دیتے ہیں۔

ہزاروں عالم و دانا انسان صحیح نظریات کے تحفظ اور بقا کے لیے

اپنے آپ کو فدا کر دیتے ہیں۔
اس قانونِ فطرت کے تحت کبھی بھی تاریخ انسانیت میں ایسا نہیں ہوا کہ کسی پست چیز کی بقا اور وجود کے لیے کوئی عظیم تر ہستی فدا ہوئی ہو۔
آیت تطہیر کے تحت امام حسین علیہ السلام کی قدر و منزلت اور بزرگی عالم انسانیت پر واضح و روشن ہے۔
پیغمبر اکرمؐ کے بعد اگر کوئی اس منصب و ولایت کا اہل ہے تو وہ امام حسینؑ اور دیگر ائمہ اطہارؑ کی ذوات مقدسہ ہیں۔ اور پیغمبر اکرمؐ بہت سی آیات کی رُو سے کل انبیاء سے افضل و اشرف ہیں اور انبیاء کرام تمام انسانیت سے افضل و اشرف ہیں۔
لہٰذا امام حسین علیہ السلام بعد رسولؐ، افضل مخلوقات، اشرف مخلوقات اور اطہر مخلوقات ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس قانون فطرت کے خلاف، گناہ و عصیان جو موجب شر اور نجس و ناپاک چیز ہے۔ اس کی بقا اور دوام کے لیے حسینؑ جیسی پاک پاکیزہ اور افضل و اشرف ہستی فدا ہو جائے۔

نمبر ۲: یہ نظریہ خلاف سیرت انبیاء ہے

کیونکہ انبیاء علیہم السلام آدمؑ سے کر خاتم الانبیاءؐ تک کا دعویٰ یہ تھا کہ طاغوت کو چھوڑ دو اور خدا کی طرف آجاؤ۔
نجس کو چھوڑ دو اور پاکیزگی کی طرف آجاؤ۔
اخلاق رذیلہ کو چھوڑ دو اور اخلاق حمیدہ کی طرف آجاؤ۔
عصیان و نافرمانی کو چھوڑ دو اور خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف

آجاؤ۔
شیطان کو چھوڑ دو اور رحمٰن کی طرف آجاؤ۔
زنا چھوڑ دو، شراب چھوڑ دو، سرکشی چھوڑ دو اور تنہا خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش کرو۔
تنہا عبادت ہی صراطِ مستقیم ہے۔
تمام انبیاء کی دعوت تو یہ ہو اور امام حسینؑ امت میں گناہ و عصیان، ارتکاب محرمات اور جرائم اور فاحشات کی جرأت بڑھانے کے لیے قیام فرمائیں اور اپنے آپ کو شہید کرائیں! یہ کیسے ممکن ہے؟

نمبر۳: یہ نظریہ خلافِ قانونِ الٰہی ہے

خدا نے قرآن میں اور اپنے حبیبؐ کے ذریعے بندگانِ خدا کو واجبات اور مستحبات کی طرف دعوت دی ہے اور منکرات اور فاحشات سے روکا ہے اگر اس نظریے کو صحیح مان لیا جائے تو اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ ایک طرف خدا فرماتا ہے کہ شراب نہ پیو، زنا مت کرو، چوری نہ کرو، حرام مت کھاؤ، ظلم نہ کرو، کسی کا مال غصب مت کرو۔ اور دوسری طرف امامؑ وعدہ فرماتے ہیں کہ جتنے چاہو گناہ کرلو اگر میرے اور میرے اہل و عیال کے غم میں آنسو بہاؤ گے تو میں تمھارے تمام گناہ بخشوا لوں گا۔ جو احکام الٰہی کو معطل کرنے کے مترادف ہے اور مقصد قیام امامؑ اور منشار شہادت امامؑ کے صریحاً خلاف ہے۔

نمبر۴: اگر امت جد کے سارے گناہ رونے سے بخشے جاتے ہیں تو امت جد میں

وہ افراد بھی موجود ہیں جنھوں نے امام حسینؑ کا ساتھ نہیں دیا یا امام حسینؑ کے قتل کے جُرم میں شریک تھے لیکن انہوں نے آنسو بہائے۔ چنانچہ کیسے ممکن ہے کہ ایسی گریہ وزاری شفاعتِ امامؑ پر منتہی ہو۔

نمبر ۵: یہ نظریہ خود امام حسین علیہ السلام کے مدینے میں مجلسِ ولید سے نکلنے سے لے کر کربلا میں ظہرِ عاشور تک مختلف مقامات پر ارشاد فرمائے جانے والے خطبات، کلمات اور سوال کرنے والوں کو دیے جانے والے ان جوابات کے بھی واضح طور پر خلاف ہے جن میں امامؑ نے اپنے نہضت وقیام کے اسباب وعلل کو واضح انداز میں بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ ہم آگے دوسری تفاسیر کی بحث میں انشاء اللہ پیش کریں گے۔



تفسیرِ غیبی

اس تفسیر کی رُو سے امام حسینؑ مکلّف تھے اس امر کے کہ عالم غیب کی جانب سے تعین شدہ ایک پروگرام کے تحت قیام فرمائیں کہ جس کے نتیجہ میں معرکۂ کربلا رونما ہو۔ چنانچہ قیام حسینؑ ایک ندائے غیبی کی اجابت اور انجام دہی کے علاوہ کچھ اور نہیں۔ ایک انسانِ کامل اور حاملِ عصمت و طہارت ہونے کے ناتے سے امام حسینؑ پر یہ فرض بنتا تھا کہ وہ حکم خدا کی بجاآوری کریں اور خداوند متعال کے ترتیب کردہ پروگرام پر من وعن عمل پیرا ہو جائیں۔

اس تفسیر کے حامی افراد و مفکرین قیام حسینؑ کے مختلف شواہد اور خود امامؑ کے ارشادات و کلمات سے اپنے موقف کی حمایت میں استدلال کرتے ہیں۔ آیئے ہم ان دلائل و براہین کا ایک جائزہ لیں جو اس تفسیر کی حمایت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

شواہد و دلائل

الف: امام حسینؑ جب دربارِ ولید سے واپس تشریف لائے تو ایک عالمِ اضطراب و پریشانی میں مبتلا تھے چنانچہ آپؑ فوراً روضۂ رسولؐ پر تشریف لے گئے اور قبرِ رسولؐ سے اس طرح گویا ہوئے:

"اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ پر ہمارا سلام۔ میں حسینؑ آپؐ کا فرزند اور آپ کی بیٹی (فاطمہ زہراؑ) کا بیٹا ہوں جسے آپؐ نے اپنے بعد امت کی قیادت و رہبری کے لیے اپنا جانشین بنایا تھا۔

اے اللہ کے نبیؐ ——! گواہ رہیے گا، ان لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا اور میری قدر و عظمت کا پاس و لحاظ نہ کیا۔ یہ شکایت لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں یہاں تک کہ آپؐ سے جا ملوں۔"

اس کے بعد آپؑ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور خداوندِ متعال سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"معبود! یہ قبر تیرے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے اور میں تیرے نبیؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ میرے سامنے جو مسئلہ ہے تو اس سے بخوبی واقف ہے۔ کریم ——! میں نیکی کو دوست رکھتا ہوں اور برائی سے بیزار و متنفر ہوں ——

اے میرے صاحبِ جلال و جبروت معبود! اس

قبر اور صاحبِ قبرؐ کی قسم میرے لیے وہ راہ نمایاں
فرما جس میں تیری اور تیرے نبیؐ کی رضا و خوشنودی
مضمر ہو۔" ۱۰

خوارزمی کے بیان کے مطابق تمام شب قبرِ مرسلِ اعظمؐ پر مشغولِ گریہ وزاری و نالہ و مناجات رہے۔ اسی درمیان میں آپؑ کی آنکھ لگ گئی اور حالتِ خواب میں آپؑ نے دیکھا کہ رسولِ اکرمؐ تشریف لائے اور آپؑ سے بغل گیر ہو کر فرمایا:

"اے میرے عزیز فرزند! میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک ریگستانِ بلا میں تم آپ اپنے خون میں غلطاں کر دیے جاؤ گے۔ میری امت کا ایک گروہ تمھیں ارضِ کربلا میں شہید کرے گا اس حالت میں کہ تم پہ بندشِ آب ہوگی جبکہ وہ میری شفاعت کا امیدوار بھی ہوگا ــــ خدا ان کی شفاعت نہ کرے۔ اے حسینؑ! تمھارے ماں باپ اور بھائی میرے پاس ہیں اور تم سے ملاقات کے خواہاں و مشتاق ہیں۔ جنت میں بلند درجات و منازل ہیں اور کوئی ان درجات و منازل پر فائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ شہید نہ ہو جائے۔" ۱۱

ان تمام تر بیانات و جملات سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ قصرِ ولید سے نکلتے وقت آپؑ کے سامنے کوئی واضح لائحہ عمل و پروگرام نہ تھا جس کی بنا پر آپؑ نے اظہارِ اضطراب و پریشانی فرمایا مگر حرمِ رسولؐ

میں حالتِ خواب میں ایک ندائے غیبی نے آپؑ کو آپؑ کے آئندہ اقدامات سے آگاہ فرمایا اور آپؑ کو آمادہ و تیار کیا کہ آپ عراق کی طرف خروج فرمائیں اور ارضِ کربلا میں جامِ شہادت نوش فرمائیں۔

ب : جناب محمد بن حنفیہؓ کو جب اطلاع ملی کہ امام حسینؑ مکہ سے نکلنے کا ارادہ کر چکے ہیں تو محمد بن حنفیہؓ امامؑ کے پاس تشریف لائے اور اپنے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ اہلِ کوفہ جنابِ امیرؑ و امام حسنؑ کی طرح آپؑ سے بھی بے وفائی کریں گے۔ چنانچہ آپؑ حرمِ خدا ہی میں تشریف رکھیں۔ آپؑ نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ مجھے یہاں قتل کر دیا جائے گا۔ جب محمد بن حنفیہؓ نے مزید اصرار کیا تو آپؑ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ ان کی تجویز پر غور فرمائیں گے۔

دوسری صبح جب محمد بن حنفیہؓ کو اطلاع ملی کہ امام حسینؑ سفر کی تیاری فرما رہے ہیں تو آپؓ دوبارہ امامؑ کی خدمت میں تشریف لائے اور اپنے اصرار کو دہرایا۔

اس پر امام حسینؑ نے جناب محمد بن حنفیہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"تمہارے جانے کے بعد رسولؐ تشریف لائے تھے اور مجھے ہدایت فرمائی کہ اے حسینؑ! یہاں سے نکل جاؤ خدا کی مشیت یہی ہے کہ تم قتل کر دیے جاؤ۔" [۱۲]

ان کلمات میں بھی امام حسینؑ اس غیبی پروگرام کی جانب نشاندہی فرما رہے ہیں جو عالمِ غیب کی جانب سے آپ کو تفویض فرمایا گیا۔

ج : تفسیرِ غیبی کے حامی افراد اپنے موقف کی حمایت میں ایک دلیل

یہ پیش کرتے ہیں کہ امام حسینؑ نے اپنے قیام کے دوران کسی بھی موقع پر امت کے سامنے کسی واضح و روشن پروگرام و لائحہ عمل کو پیش نہ کیا چنانچہ کسی آئندہ اقدام یا کسی واضح پروگرام کا فقدان اس امر کی جانب نشاندہی کرتا ہے کہ امامؑ فقط غیب سے دیے جانے والے ایک پروگرام پر عمل پیرا تھے۔

د : جناب محمد بن حنفیہؒ نے جب آپؑ سے سوال کیا کہ جب آپؑ کو معلوم ہے کہ آپؑ کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا جائے گا تو پھر آپؑ اپنے اہل و عیال کو کیوں ہمراہ لے جا رہے ہیں ؟ تو آپؑ نے فرمایا کہ :

"...... یہ خدا کی مشیت ہے کہ یہ اسیر و سرگرداں ہوں"۔[۱۳]

یہاں پر بھی امام حسینؑ اہل و عیال کے مسئلہ پر اپنی رائے کا اظہار نہیں فرما رہے بلکہ اس کو بھی اپنے غیبی پروگرام کا ایک حصہ قرار دے رہے ہیں۔ امامؑ کا اپنی رائے کا اظہار نہ کرنا دلیل ہے اس بات پر کہ آپؑ کے پیش نظر آپؑ کا اپنا کوئی پروگرام نہیں بجز اس کے کہ حکم خدا اور مشیت ایزدی کی بجا آوری کی جائے۔

ح : تاریخ گواہ ہے کہ انصار و اعوان اور جانثاران کی کمی ہی وہ مانع تھی جو حضرت علیؑ اور دیگر ائمہ کرامؑ کے قیام کی راہ میں حائل رہی اور جس کا اظہار جناب امیرؑ اور ائمہ کرامؑ نے خود بھی بارہا فرمایا۔ مگر قیام حسینیؑ میں اس شرط کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے قیام کیا گیا اور قلت انصار و اصحاب

کے باوجود ایک بڑی قوت اور لشکر سے جنگ مول لی گئی۔ اس قیام کا یہ اسلوب نشاندہی کرتا ہے کہ دراصل غیب کی جانب سے امام حسینؑ کو قیام کا حکم مل چکا تھا چنانچہ آپؑ نے اصحاب و انصار کی ایک بڑی جماعت کے بغیر ہی قیام فرمایا اور اس شرط کو ملحوظِ خاطر نہ رکھا۔

تفسیرِ غیبی پر اعتراضات

گزشتہ صفحات میں ہم نے تفسیرِ غیبی کی تفاصیل بیان کیں اور اس کے حق میں دیے جانے والے بیانات و دلائل کا ایک جامع خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی۔ ان بیانات و براہین کے بعد ضروری ہے کہ وہ دلائل و براہین پیش کیے جائیں جو اس نظریہ و تفسیر کی رد میں دیے گئے ہیں۔ ذیل میں ان دلائل و شواہد کا ایک جامع خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

الف: مقصدِ بعثتِ انبیاء کرامؑ و مرسلینِ عظام یہ ہے کہ اس جامعۂ انسانی اور معاشرۂ بشریت میں ایک تغیّر و انقلاب برپا کیا جائے تاکہ اس اجتماعِ انسانی کو ہوس ہائے نفسانی اور خواہشاتِ رذیلہ سے نکال کر اوجِ کمال پر لے جایا جائے جس کے نتیجہ میں انسان اور خدا کے درمیان رشتہ قوی تر و مستحکم ہو جائے۔

آیاتِ الٰہی اور تاریخِ انسانی گواہ ہے کہ تمام تر انبیاء کرامؑ نے اس مقصد کی بجا آوری کے لیے ہمیشہ انسانی و فطری طریقہ و اسلوب اپنایا۔ اجتماعِ انسانی میں تغیّر پیدا کرنے کی ان کی تمام تر کاوشیں ارضی و زمینی رہیں،

نہ کہ آسمانی و غیر فطری۔ چنانچہ جب مشرکین نے اعتراض کیا کہ خدا نے ہماری ہدایت کے لیے عرش سے ملائکہ کیوں نہ نازل فرمائے تو خداوند متعال نے اپنے پروگرام کی وضاحت یوں فرمائی :

"(اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ اگر زمین پر فرشتے (بسے ہوئے) ہوتے کہ اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ان لوگوں کے پاس فرشتہ ہی کو رسول بنا کر نازل کرتے۔"

(القرآن۔ بنی اسرائیل ۹۵)

چنانچہ اگر قیامِ حسینیؑ کا مقصد صرف یہ تھا کہ جامعۂ بشریت و اجتماعِ انسانی میں ایک ہمہ گیر و ہمہ جہتی انقلاب و تغیّر برپا کیا جائے تو پھر اس انقلاب کا اسلوب بھی بشری و ارضی ہونا چاہیے نہ کہ آسمانی و غیبی۔

ب : اگر قیامِ حسینیؑ فقط ایک ندائے غیبی کی عمل بجا آوری تھی تو اس تغیر و انقلاب میں فقط امام حسینؑ کو حصّہ لینا چاہیے تھا۔ وہ غیر معصوم افراد کہ جن کا غیب سے کوئی ربط و ارتباط نہیں واقعہ کربلا میں ان کی موجودگی پھر ایک نہ سمجھ میں آنے والی بات ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ اس عظیم انقلاب کے برپا کرنے والوں میں تنہا ذاتِ حسینؑ ہی نہیں بلکہ غیر ہاشمی، غیر علما حتیٰ کہ وہ افراد بھی شامل ہیں جو ایک عرصہ تک انحرافی خط پر چلتے رہے جناب زہیر بن قینؓ اور جناب حُر بن یزید ریاحیؓ ایسے ہی افراد میں شامل ہیں۔ اگر قیامِ حسینیؑ فقط ایک وظیفۂ غیبی و شخصی ہی ہوتا تو ایسے لوگوں کا امامؑ کے ساتھ ہونا عقلِ انسانی کی دسترس سے باہر ہے۔ حتیٰ کہ امام حسینؑ کا خود ان لوگوں کو دعوت دینا قابلِ فہم نہیں۔ کیونکہ وہ

مطالب جو غیبی تھے اور فقط امام حسینؑ کے لیے قابلِ فہم تھے ایسے افراد کی سمجھ میں آجانا ناممکن ہے۔

ج : اوپر بیان کردہ دلیل کے جواب میں اگر یہ کہا جائے کہ یہ افراد امام حسینؑ کی شخصیت سے متاثر ہو کر اس امر پر آمادہ ہوئے کہ امامؑ کی نصرت کریں تو یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ایسا ہی ہے تو پھر ان افراد کے لیے یہ کیسے ممکن ہوا کہ یہ دوسرے افراد کو دعوت کرتے۔ روزِ عاشورا حضرت بریرؓ، حضرت مسلم بن عوسجہؓ اور دیگر اصحاب نے لشکرِ یزید سے خطاب کیا اور دعوتِ حق دی۔ اگر حرکتِ امامؑ ایک حرکتِ غیبی تھی تو پھر ان افراد کے لیے یہ کیسے ممکن ہوا کہ ان مطالب غیبی کا خود بھی ادراک کریں اور لوگوں کو بھی سمجھائیں۔

د : اگر امام حسینؑ کے ارشادات و مکتوبات کا سرسری مطالعہ بھی کیا جائے تو تفسیر غیبی کی نفی ہو جاتی ہے خصوصاً اہلِ بصرہ کے نام امامؑ کا خط اور اس خط کے جواب میں جناب یزید بن مسعود نہشلیؒ کا ردِ عمل اور لشکرِ حر کے سامنے آپؑ کے خطبات واضح طور پر مقاصد قیام حسینیؑ پر روشنی ڈالتے ہیں اور تفسیرِ غیبی کو صریحاً مسترد کرتے ہیں۔ (دیکھیے تفسیر سیاسی)

ح : امام حسینؑ نے اپنے قیام کے دوران مختلف مواقع پر مندرجہ ذیل ۴ نکات کی طرف توجہ دلائی :

○ —— محرومیتِ امت

○ —— قانون کی معطلی۔

○ —— حکمرانوں کا انحرافی رویہ۔

اگر بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو یہی وہ ۳ نکات ہیں جو عموماً قائدینِ احزاب و تحاریک کے پیشِ نظر ہوتے ہیں۔ آدم سے لے کر آج تک جتنے سیاسی قائدین گزرے ان کے افکار و شعار انھیں ۳ نکات کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں۔ امامؑ کا بھی انھیں نکات کی نشاندہی کرنا ظاہر کرتا ہے کہ امامؑ ایک فطری و رائج طریقہ و اسلوب کو اپنا کر اپنی تحریک کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں نہ کہ کسی غیبی و غیر انسانی طریقہ کو۔

و : تاریخِ انسانی گواہ ہے کہ اذہانِ انسانی اور ضمیرِ بشر پر جس واقعہ و حادثہ نے سب سے زیادہ اثر قائم کیا وہ واقعہ روزِ عاشور ۶۱ھ میں برپا ہوا۔ اگر یہ واقعہ و حادثہ فقط امام حسینؑ کے ارتباطِ غیبی سے مربوط ہوتا تو فقط امام حسینؑ تک ہی محدود رہ جاتا اور اگر کچھ تاثیر ہوتی بھی تو فقط شیعیانِ اہلِ بیتؑ تک محدود رہتی۔ مگر اقوامِ عالم کا اس واقعہ سے اس قدر متاثر ہو جانا دلیل ہے اس بات کی کہ اس واقعہ میں کوئی شے ایسی ہے جو اذہانِ انسانی کو اپنی طرف مائل کیے بنا نہیں رہتی۔

ز : امام حسینؑ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا: "میں تمھارے لیے بہترین نمونۂ عمل ہوں۔" چنانچہ اگر قیامِ حسینیؑ ایک غیبی و غیر فطری عناصر کے مجموعہ کا نام ہے تو پھر غیر معصوم انسانوں کے لیے ممکن نہیں کہ وہ غیب سے ارتباط نہ ہونے کے باوجود ایسے اسوۂ و سنّت و سیر کی پیروی کر سکیں۔ بالفاظِ دیگر قیامِ حسینؑ اور معرکۂ کربلا اسی وقت قابلِ پیروی ہے کہ جب فطری و انسانی ہو۔

تفسیرِ اخلاقی

اس تفسیر کی رُو سے امام حسینؑ کا یزید کے ہاتھوں پر بیعت کر لینا 'اخلاقی' طور پر ناقابلِ قبول تھا۔ عقلاً یہ بات محال ہے کہ ایک باعظمت و بامنزلت، پاک و منزہ شخصیت ایک پست و رذیل شخص کے آگے سر جھکا دے۔ انسان کی فطرتِ سلیم اس قبیح فعل کو کسی بھی صورت برداشت نہیں کر سکتی۔

یزید ابن معاویہ حسینؑ اور سیرت حسینؑ سے بخوبی آگاہ و واقف تھا وہ یہ بات بھی بخوبی جانتا تھا کہ امام حسینؑ اس کی بیعت ہرگز نہ کریں گے دوسری طرف عراق کے شیعوں کے درمیان حکومت بنی امیہ کے خلاف نفرت و ہیجان بھی کسی سے پوشیدہ نہ تھا۔

یزید اس بات کو بھی نہ بھولا تھا کہ اس کے باپ کے دورِ خلافت میں

امام حسینؑ نے مجمع عام میں ببانگ دہل جانشینیٔ یزید کے خلاف آواز بلند کی تھی اور اس آواز میں یزید کے خلاف غیظ و غضب سے پر ایک قریب الانفجار مواد بھرا ہوا تھا چنانچہ اپنی تمام تر مخالفتوں کو دبانے اور اپنی باطل حکومت کو شرعی و قانونی بنانے کے لیے یزید کے پاس اگر کوئی راستہ تھا تو یہ کہ وہ امام حسینؑ سے بیعت لے لے یا خاموشی برقرار رکھنے کا وعدہ۔ کیونکہ اگر امام حسینؑ یزید کے ہاتھوں بیعت کر لیتے ہیں تو کسی میں بھی ہمت نہ ہوگی کہ یزید کے خلاف آواز بلند کر سکے۔

دوسری طرف مخالفین بنی امیہ کی وہ ہمدردیاں جو آج خاندانِ نبوتؐ سے وابستہ ہیں مجبور ہو جائیں گی کہ کسی اور آستانہ کو تلاش کریں۔

خطرات اور مخالفتوں کے منجھدار میں پھنسی اقتدار و سلطنت کی اس کشتی کے لیے بہترین کنارۂ نجات حسینؑ سے اپنے لیے بیعت لینا ہے۔ دوسری طرف اگر امام حسینؑ بیعت سے انکار کر دیتے ہیں تو یزید کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ پھر اس مرکزِ انقلاب پر حملہ آور ہو اور انقلاب و حیات آفرین شمع کو گل کر دے کیونکہ جب تک یہ مرکز قائم رہے گا پرستارانِ حق یہاں سے کسب فیض کرتے رہیں گے اور باطل و طاغوتی حکومتوں کے خلاف ایک مستقل خطرہ بنے رہیں گے۔

اپنے انھیں مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے یزید نے والیٔ مدینہ کو ہدایت کی کہ امام حسینؑ سے بیعت لے۔ چنانچہ والیٔ مدینہ نے یہ مطالبہ امام حسینؑ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حسینؑ کا یزید کے ہاتھوں پر بیعت کر لینا ایسا ہی تھا کہ جیسے حسینؑ اپنی حیثیت سے دستبردار ہو جائیں۔ وہ حیثیت جو مجسم کمال و فضیلت اور حامیٔ

شریعت ہے۔

حسینؑ کا یزید کے ہاتھوں میں بیعت کرنا ایسا ہی تھا جیسے حسینؑ دینِ جد کی عظمت اور مسلمانوں کے حقوق کو یزید کے ہاتھوں میں دے دیں۔

حسینؑ کی یزید کے ہاتھوں پر بیعت، فضیلت و رذیلت —— ظلم و عدل ظلمت و نور —— اور —— علم و جہل میں مساوات کے اعلان کے مترادف تھا۔

امام حسینؑ جو ایک افضل و مقتدر شخصیت ہیں کسی بھی طور یزید جیسے فاسق و فاجر کی بیعت نہیں کر سکتے تھے چنانچہ اس عظیم حادثہ کا اصل محرک دراصل "مطالبہ بیعت ہے" نہ کہ امامؑ کی کوئی اور مصلحت۔ جب یزید نے امام حسینؑ سے مطالبۂ بیعت کیا تو امامؑ نے اس مطالبہ کو اپنی منزلت و بزرگی سے متصادم پایا اور یزید کے اس مطالبہ کے خلاف قیام فرمایا۔ اگر یزید مطالبۂ بیعت نہ کرتا تو امام حسینؑ سالہائے گزشتہ کی طرح اپنے ایامِ حیات گوشہ نشینی اور تعلیم و تعلم میں بسر کر دیتے اور یزیدی حکومت کے خلاف قیام نہ فرماتے۔

چنانچہ تفسیرِ اخلاقی کی رو سے قیامِ حسینی کا واحد و اصل سبب "مطالبۂ بیعت" ہے۔ اس فکر و نظریہ کے حامی مفکرین و مورخین اپنی فکر پر مندرجہ ذیل شواہد و دلائل کے ذریعہ استدلال کرتے ہیں۔

نمبر ۱: مجلسِ ولید بن عتبہ میں جب آپؑ سے مطالبۂ بیعت یزید کیا گیا تو آپؑ نے والئ مدینہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"میں یزید کی بیعت نہیں کروں گا۔ یزید ایک فاسق، فاجر شرابی اور قاتل نفسِ محترمہ ہے۔ وہ اعلانیہ فسق کا ارتکاب کرتا ہے مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا۔"

(دیکھیے تفسیرِ سیاسی)

امامؑ نے اپنے اس خطاب میں یزید کے رذائل و بدباطنی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اپنے انکارِ بیعت پر استدلال فرمایا ہے۔

نمبر۲ : امام حسینؑ نے مدینہ میں قبرِ رسولؐ سے مخاطب ہو کر فرمایا :

" لوگوں نے مجھے بیعت کرنے پر مجبور کیا۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو قتل کر دیا جاؤں گا اور اگر بیعت کروں تو کافر ہو جاؤں گا۔" [۴۷]

نمبر۳ : جناب محمد بن حنفیہؓ نے جب آپؑ کو مشورہ دیا کہ آپؑ یزید کی بیعت نہ کریں اور شہروں سے جس حد تک ہو سکے دور ہو جائیں۔ وہاں سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کریں اگر وہ متوجہ ہو جاتے ہیں تو فبہا و گرنہ آپؑ ضرر سے تو محفوظ ہی رہیں گے۔

جناب محمد بن حنفیہؓ کے اس مشورہ پر آپؑ نے فرمایا :

" اے بھائی اگر دنیا میں میرے لیے کوئی پناہ گاہ بھی نہ بچی تب بھی میں یزید کی بیعت نہ کروں گا۔" [۴۸]

اس مقام پر یہی محسوس ہوتا ہے کہ قیامِ حسینؑ کا واحد سبب و محرک مطالبۂ بیعت ہے جو اخلاقی و شرعی طور پر امامؑ کے شایانِ شان نہیں حتّٰی کہ بقول امامؑ ارتکابِ کفر کے مترادف ہے۔

نمبر۴ : صبحِ عاشورا امام حسینؑ نے لشکرِ عمر سعد سے مخاطب ہو کر شبث ابن ربعی حجار ابن ابجر، قیس ابن اشعث اور یزید ابن حرث کو بآوازِ بلند پکارا

اور فرمایا:

" کیا تم نے مجھ سے یہ نہ کہا تھا کہ میوے پک چکے ہیں فصلیں تیار ہیں اور میرے لیے ایک لشکر جرار تیار و آمادہ ہے"

امامؑ کے اس خطاب پر شبث ابن ربیعی نے پکار کر کہا:

" میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپؑ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ آپؑ کو یزید کے سامنے جھک جانا چاہیے۔ ہم تو اس بیعت میں کوئی برائی نہیں پاتے "

شبث ابن ربیعی کے اس جواب پر آپ نے فرمایا:

" نہیں خدا کی قسم ہم اپنا ہاتھ تمھارے ہاتھ میں نہیں دیں گے اور نہ غلاموں کی طرح راہ فرار اختیار کریں گے" [۱۲]

اس مقام پر بھی امامؑ کا بیان تفسیرِ اخلاقی پر روشنی ڈالتا ہے کہ جہاں امامؑ بیعت کرنے اور راہِ فرار اختیار کرنے، ہر دو راستوں کو اخلاقی طور پر رد کر رہے ہیں۔

اسی خطاب کے آخر میں امام حسینؑ نے فرمایا:

" آگاہ ہو جاؤ کہ ولدالزنا ابنِ زنا نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں دو راہوں میں سے ایک کو اختیار کروں۔ یا میں خروج کروں یا ذلت برداشت کر لوں۔ مگر ذلت ہم سے دُور ہے اور خدا رسولؐ، باغیرت مومنین اور پاک پاکیزہ گودوں میں پرورش پانے والے پسند نہیں کرتے کہ لعین و رذیل افراد کی اطاعت کو شہادت

پر ترجیح دیں"
امام کے یہ جملات تفسیرِ اخلاقی پر واضح و کافی روشنی ڈالتے ہیں۔

تفسیرِ اخلاقی پر اعتراضات

اس سے پیشتر کہ ہم اس تفسیر کی رد میں دیے جانے والے استدلال قارئین کی خدمت میں پیش کریں اس تفسیر کے حامی مفکرین سے ایک سوال کرنا چاہیں گے۔
ہمارے نزدیک کسی بھی مطالبہ بیعت کو مسترد کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

۱۔ ردِ بسیط

اس قسم کے انکار میں ایک فرد مطالبہ کو مسترد کرتا ہے اور پھر معاملہ سے صرفِ نظر کرتا ہوا خاموشی سے عافیت کی راہ لیتا ہے۔
چنانچہ بہت سے افراد نے جناب امیرؑ کی بیعت نہ کی اور نہ ہی ان کے راستے میں مزاحم ہوئے مثلاً۔ سعد ابن ابی وقاص، عبداللہ ابن عمر، عفان ابن ثابت، کعب بن مالک، مسلم بن مخلد، ابو سعید خدری، محمد ابن مسلم، نعمان ابن بشیر وغیرہ۔

۲۔ ردِ مرکب

اس قسم کے انکار میں مطالبہ کو رد کرنے والا نہ صرف مطالبہ کو مسترد کرتا ہے بلکہ اپنے موقف پر ڈٹا رہتا ہے اور اپنے پروگرام کے اجرا

کے لیے کوششیں اور کاوشیں کرتا ہے۔ ایسے افراد حکامِ ظلم و جور کی بیعت کو نہ صرف رد کرتے ہیں بلکہ اس اقتدار و سلطنت کے خاتمہ کے لیے عملی جدوجہد کرتے ہیں، کبھی ان مظالم کی تشہیر کرتے ہیں کبھی مظلومین کی دادرسی کرتے ہیں اور کبھی موقع ملنے پر اس حاکمِ ظلم کے خلاف میدانِ جنگ میں کود پڑتے ہیں۔

منکرینِ تفسیرِ اخلاقی سے ہمارا یہ سوال ہے کہ امامؑ کا مطالبۂ بیعت کو مسترد کرنا ردِ بسیط تھا یا ردِ مرکب؟

کیونکہ اگر تفسیرِ اخلاقی کو صحیح مان لیا جائے تو اس انکار کو ردِ بسیط جیسا ہونا چاہیے تھا۔ جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نہ صرف امامؑ نے بیعت کو مسترد کیا اور اموی حکومت کے خلاف مطالبۂ بیعت کے بعد قیام کیا بلکہ دورِ معاویہ میں بھی آپؑ ایک قیامِ سیاسی کی تیاریوں میں مصروفِ عمل تھے۔

(ملاحظہ ہو تفسیرِ انفاقی)

ہم اپنے اس موقف کے ثبوت میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

نمبر ۱: معاویہ نے اپنے دورِ خلافت میں جناب امام حسنؑ کی شہادت کے بعد جناب امام حسینؑ کو ایک خط تحریر کیا جس میں آپؑ پر حکومت کے خلاف سرگرمیوں اور جنگ کی تیاریاں کرنے کا الزام عائد کیا گیا تھا اس خط کے جواب میں آپ نے معاویہ کو تحریر فرمایا:

"میں خدا سے معافی و مغفرت کا خواستگار ہوں کہ تمہارے خلاف ترکِ جہاد کیے ہوئے ہوں۔" [۱۲]

امامؑ کے اس جملہ سے واضح ہے کہ ظالم و غاصب کے خلاف اعلانِ جہاد کرنا ظالم و جابر کی طرف سے کیے جانے والے مطالبۂ بیعت سے مشروط نہیں۔ بالفاظِ دیگر ضروری نہیں کہ اعلانِ جہاد اسی وقت کیا جائے کہ جب کسی حاکمِ ظلم کی جانب سے مطالبۂ بیعت ہو۔

نمبر۲: امام حسینؑ نے ۵۸ھ میں معاویہ کی موت سے دو سال قبل ایامِ حج میں منیٰ کے مقام پر ہم عصر بزرگ اصحاب و علمائے تابعین کو جمع فرمایا۔ اس موقع پر ان افراد سے خطاب کرتے ہوئے آپؑ نے بنی امیہ کے مظالم کا ذمہ دار امت کے علما کی خاموشی اور سکوت کو ٹھہرایا! کیونکہ امامؑ کے نزدیک ظالم کے سامنے خاموشی اور سکوت بذاتِ خود ظلم میں شرکت کے مترادف ہے۔

قرآن کریم میں بھی اسی مطلب کی طرف ارشاد باری ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ
ظَالِمِىْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ
قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ
قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً
فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ

جَهَنَّمُ ۭ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ۝

(النساء ۹۷)

"جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا۔ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا۔ کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانا ہے۔"

نمبر۳: اگر امام حسینؑ واقعاً انکار بیعت پر اکتفا کرتے اور یزید کے خلاف کوئی عملی اقدامات کرنے سے گریز فرماتے تو یزید کو کیا پڑی تھی کہ وہ قتل حسینؑ سے برآمد ہونے والے خطرناک نتائج کو یوں مول لیتا۔
دوسری طرف اگر یزید امامؑ کے انکار بیعت پر کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہ بھی کرتا تو کیا امامؑ ظلم و ستم کے سامنے خاموش رہ سکتے تھے؟ نہیں ایسا ممکن ہی نہ تھا۔
جب شریعت کسی یتیم کا مال غصب کرنے والے کے خلاف ایک عام مسلمان کو یہ حکم دیتی ہے کہ مظلوم کو ظالم سے نجات دلائی جائے اور اس کا مال اسے واپس دلایا جائے۔ تو پھر محافظِ دین و شریعت امام حسینؑ کے لیے کیسے ممکن تھا کہ وہ سب کچھ دیکھتے رہتے اور پھر بھی

مظلوم کی دادرسی کے لیے نہ اٹھتے۔

چنانچہ اگر امام حسینؑ سے مطالبۂ بیعت نہ بھی ہوتا تب بھی آپؑ ظلم و جور اور غاصب حکمرانوں کے خلاف قیام فرماتے۔

اگر مفسرینِ تفسیر اخلاقی ''امام حسینؑ کے انکارِ بیعت کو ردّ مرکّب سمجھتے ہیں تو ان کا موقف درست ہے۔ ہمارا موقف بھی یہ ہے کہ امام حسینؑ کو مطالبۂ بیعت کے ذریعہ ایک ایسا وسیلہ میسر آیا جس کو استعمال کرتے ہوئے آپؑ نے قیام کا آغاز فرمایا۔



تفسیر سیاسی

امام حسینؑ کے اس تاریخ ساز وحیات آفرین قیام وانقلاب کی تفسیر کرتے وقت بعض مفکرین ومورخین دانستہ یا نادانستہ طور پر یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ امام حسینؑ کا حصولِ اقتدار و ولایت کے لیے قیام کرنا آپؑ کے تقدس وعظمت کے منافی ہے اور مقامِ امامت کی توہین کے مترادف ہے چنانچہ قیامِ حسینیؑ کے کسی بھی مرحلہ پر اس بات کا شائبہ تک نہیں کہ یہ قیام خدانخواستہ حصولِ اقتدار وسلطنت کے لیے تھا بلکہ امام حسینؑ نے یہ قیام فقط معروفات کے رواج اور منکرات کی روک تھام کے لیے فرمایا۔

ہماری رائے میں ایسے افراد یا تو اپنی نادانی وبے بصیرتی کی بنا پر ایسا کہتے ہیں یا قیامِ حسینیؑ کے اصل اہداف ومقاصد سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے تاریخ کے اس عظیم انقلاب آفریں واقعہ کی باطل تفاسیر کرکے اس کی تاثیر کو

محدود کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ان افراد سے یہ سوال کرنا چاہیں گے کہ اگر آپ کی رائے صحیح مان بھی لی جائے تو وہ کون سے معروفات تھے جو عصرِ امام حسینؑ میں متروک تھے اور اسی طرح وہ کون سے منکرات تھے جو رائج تھے۔

○ —— کیا کوئی منکر، منکرِ حکومتِ یزید سے بھی زیادہ سنگین و خطرناک تھا؟

○ —— بے شک اگر حصولِ حکومت برائے حصولِ سیم و زر، مال و منال، شہرت و نام و نمود ہو تو صحیح ہے کہ امام حسینؑ کی باعظمت و با فضیلت ذات اس سے مبرا و پاک ہے۔
لیکن دوسری طرف۔
اگر حصول حکومت کا مقصد قیامِ عدل، مظلوموں کی دادرسی، ظالمین کی سرکوبی اور نفاذِ حدود کے لیے ہو تو کیا اس سے بہتر، اعلیٰ و ارفع مقصد بھی کوئی اور ہو سکتا ہے۔ جب کہ طلبِ حکومت کا نعرہ ایسی شخصیات و ہستیاں بلند کریں جو اس منصب و ولایت کی صحیح حقدار و کفو ہوں اور جن کے پیشِ نظر اصلاحِ امت کی غرض و غایت ہو اور جن کا مقابلہ بدترین خلائق باطل قوتوں سے ہو۔ یقیناً یہ عمل دیگر واجب اعمال سے بھی بالاتر ہے۔

○ —— طلب و حصول اقتدار و حکومت ائمۂ کرامؑ کے لیے باعث نقص و عیب ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام ۲۵ برس تک مسلسل باطل قوتوں سے برسرِ پیکار رہے اور اپنے اس حق سے دستبردار ہونے کو تیار نہ ہوئے

حتیٰ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپؑ نے اپنی سلطنت کے فقط ایک صوبہ پر بھی ظالمین کا قبضہ برداشت نہ کیا۔

○ —— کیا یہ خلافت وحکومت حسینؑ کا قانونی و شرعی حق نہیں؟ کیا کتاب خدا میں "اولوالامر" سے مراد جناب حسینؑ کے علاوہ کوئی اور ہستی ہے؟

شریعت میں وہ کون سی قدغن ہے جو مطالبۂ خلافت و حکومت کرنے کی راہ میں حائل ومانع ہے؟

○ —— کیا حضرت سلیمانؑ ابن داؤدؑ نے بارگاہ ایزدی میں یہ دعا نہ فرمائی تھی کہ ....؟

"خداوندا مجھے ایسی حکومت دے جو میرے بعد کسی اور کو نصیب نہ ہو۔"

القرآن: ص ۳۵

○ —— کیا حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ نے منصب امامت پر فائز ہونے کے بعد اپنی ذریت کے لیے ایسی ہی ولایت ومنصب کی خواہش نہ فرمائی تھی .... ؟ جب خداوند عالم نے ابراہیمؑ کو مقام امامت سے نوازا تو ابراہیمؑ نے فرمایا:

"پالنے والے میری ذریت کو بھی عنایت فرما۔"

القرآن: بقرہ ۱۲۴

○ —— کیا امام حسینؑ نے مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا تک قدم قدم پر بارہا حکومت پر قابضین وغاصبین کا تذکرہ نہ کیا......؟

کیا آپؐ نے اس منصب کے صحیح حقداروں کی پہچان نہ کروائی ......؟

○ —— پھر وہ کون سا مانع ہے جو کسی حقدار کے اس کے مطالبۂ حق کی راہ میں حائل ہے .....؟

آیئے ہم مدینہ سے کربلا تک امام المسلمین امام حسینؑ کے ارشادات و خطبات کا جائزہ لیں تاکہ امام حسینؑ کی اپنی زبانی ان کے مقاصد و اہداف سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

نمبر ۱ : والیٔ مدینہ ولید ابن عتبہ بن ابی سفیان کو معاویہ کی موت کے فوری بعد ایک حکمنامہ یزید کی جانب سے موصول ہوا جس میں معاویہ کی موت اور یزید کی تخت نشینی کی اطلاع تحریر تھی۔ ساتھ ہی اہل مدینہ سے بیعت لینے کا حکم درج تھا۔

اس حکمنامہ کے ساتھ ہی کاغذ کا ایک چھوٹا سا پرزہ بھی تھا جس پر خصوصی طور پر عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر اور امام حسینؑ سے بیعت لینے کا حکم درج تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی تحریر تھا کہ اگر یہ شخصیات بیعت کرنے سے انکار کر دیں تو انھیں قتل کر دیا جائے۔

یہ خط ملتے ہی ولید نے مروان کو مشورہ کے لیے بلایا اور مشاورت کے بعد امام حسینؑ کو اسی رات قصر امارۃ میں طلب کر لیا۔

امام حسینؑ بنی ہاشم کے مسلح نوجوانوں کے ہمراہ دارالامارہ پہنچے اور ان جوانوں کو دارالامارہ کے دروازے پر مامور کر کے یہ حکم دیا کہ اگر اندر سے میری آواز بلند ہو تو تم بے دریغ اندر داخل ہو جانا۔ چنانچہ اس طرح امام حسینؑ دارالامارۃ

میں داخل ہوئے، ولید نے آپؑ کا استقبال کیا اور یزید کے مطالبۂ بیعت سے آپ کو آگاہ کیا۔

آپؑ نے ولید کی گفتگو کے جواب میں آیۂ رجعت (انا للہ وانا الیہ راجعون) تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا:

"اے ولید! تم میری مخفی و پوشیدہ بیعت پر اکتفا نہیں کرو گے اور مجھے بھی زیب نہیں دیتا کہ چھپ کر بیعت کروں۔ بہتر یہ ہوگا کہ سب کو بلاؤ اور پھر بیعت کا مطالبہ کرو، وہاں ہم دیکھیں گے کہ کون اس منصب کا حقدار ہے۔"

امامؑ کی اس گفتگو کا مقصد یہ تھا کہ وقتی طور پر مسئلہ کو ٹال دیا جائے مگر مروان نے اس کو بھانپ لیا اور آپ سے اپنی دیرینہ عداوت و بغض کو چھپا نہ سکا۔ فوراً ہی ولید کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے کہنے لگا:

"اگر حسینؑ یہاں سے نکل جائیں گے تو تم پھر کبھی ان پر قابو نہ پاسکو گے یہاں تک کہ قتل و خونریزی کا سامنا کرنا پڑے۔"

مروان کی اس نفرت انگیز گفتگو پر امام حسینؑ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"اے فرزند زرقا! نہ تمھارے اور نہ ولید کے بس کی بات ہے کہ مجھ کو قتل کر سکے۔ تم میں سے کس کی جرأت ہے کہ مجھے قتل کر سکے۔"

ان جملات کے بعد آپؑ ولید سے مخاطب ہوئے۔

"اے امیر ــــ! ہم خاندانِ اہل بیت، نبوت و معدنِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارے گھر میں ملائکہ کی آمد و رفت ہے (اس دنیا کا) ہم سے آغاز ہوا اور ہمیں پر اس کا اختتام ہوگا۔ یزید ایک فاسق، شرابی اور قاتلِ نفسِ محترمہ ہے، وہ اعلانیہ فسق کا ارتکاب کرتا ہے۔ مجھ جیسا یزید جیسے کی بیعت نہیں کرسکتا۔ تم بھی صبح تک انتظار کرو۔ ہم بھی کرتے ہیں۔ تم بھی دیکھو اور ہم بھی دیکھتے ہیں کہ کون خلافت و بیعت کا حقدار ہے۔" [۱۸]

دوسرے روز جب امامؑ گھر سے باہر تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں مروان بن حکم سے ملاقات ہوئی۔ مروان نے آپؑ کو مخاطب کر کے کہا:

"اے ابا عبداللہ! میں آپؑ کو نصیحت کرتا ہوں کہ میری پیروی کریں۔"

جب امامؑ نے نصیحت کے بارے میں استفسار کیا تو کہنے لگا:

"میں آپؑ کو امر کرتا ہوں کہ یزید بن معاویہ کی بیعت کرلیں کہ دین و دنیا کی خیر اسی میں ہے۔"

اس پر آپؑ نے جواب دیا:

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ــــ اسلام پر سلام ہو اگر اس امت پر یزید جیسا شخص حاکم و رہبر ہو۔ میں نے اپنے جدِ بزرگوارؐ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خلافت آلِ ابی سفیان پر حرام ہے۔[۱۹] اگر معاویہ کو میرے منبر پہ دیکھو تو قتل کردو۔ لیکن اہلِ مدینہ نے منبرِ مرسلِ اعظمؐ پر اسے

دیکھا مگر قتل نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج امتِ اسلامیہ
معاویہ سے بدتر کی قیادت ورہبری میں گرفتار بلا ہے۔

نتیجہ

اس گفتگو میں امامؑ فقط مطالبۂ بیعت ہی کو مسترد نہیں کر رہے ہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ یزید کو خلافت و ولایت کے منصب کے لیے نااہل بھی ٹھہرا رہے ہیں اور پھر اس ولایت و منصب کے صحیح حقدار کی حیثیت سے اپنا تعارف کروا رہے ہیں۔

مروان کے ساتھ اس گفتگو میں آپؑ نے یزید کی حکومت کو امتِ مسلمہ کے لیے ایک بلا اور عذاب گردانا ہے۔

نمبر۲۔ محمد بن حنفیہ کے نام وصیت نامہ

مدینہ منورہ سے سفر کرتے وقت حضرتؑ نے یہ وصیت نامہ تحریر فرمایا جس کے خاتمہ پر اپنی مہر ثبت فرمائی۔ اور اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے حوالے کیا۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ حسینؑ فرزند علیؑ یہ
وصیت اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے حوالہ کر رہا ہے۔ وہ
گواہی دیتا ہے کہ خدا کا کوئی شریک نہیں۔ وہ وحدہٗ لا
شریک ہے، محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔
آئینِ اسلام جو رسولؐ پر نازل ہوا حق ہے۔ جنت وجہنم
حق ہیں اور روزِ قیامت بہرحال آکر رہے گا۔ جس دن
مرد و زن کو زندہ کیا جائے گا......

بھائی ــــــ نہ میں خودخواہی کے لیے وطن چھوڑ رہا ہوں اور نہ ہی خوش آئند مستقبل کی جستجو میں اور نہ شر و فساد کی خاطر۔ بلکہ اس سفر سے میرا مقصد یہ ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کروں۔ چاہتا ہوں کہ اپنے جدِ بزرگوارؐ کی سنت اور والد ماجد کے اسوۂ حسنہ کو زندہ کروں۔ جس کسی نے اس حقیقت کو قبول کرتے ہوئے میری پیروی کی اس نے راہِ حق کو اختیار کیا اور جس کسی نے مجھ سے انحراف کیا تو میں صبر و شکیبائی سے اپنی راہ کی طرف بڑھتا رہوں گا یہاں تک کہ خدا ہمارے اور لوگوں کے درمیان فیصلہ فرما دے کیونکہ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

عزیزم! یہی میری وصیت ہے۔ خدا تم کو کامیاب کرے۔ اسی پر بھروسہ ہے اور اسی کی طرف ہماری بازگشت ہے۔" [۲۰]

نتیجہ

امامؑ نے اپنے اس وصیت نامہ میں فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اپنے مقصد و ہدفِ قیام کے طور پر متعارف کرایا ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ مدینہ سے نکلنے اور کربلا کی سرزمین پر پہنچنے تک آپ کن کن معروفات کی نشاندہی فرما رہے ہیں اور کن کن منکرات سے برأت و دوری کا اعلان کر رہے ہیں۔

نمبر ۳: خطاب سلیمان ابن صرد خزاعی

معاویہ کی موت اور امام حسینؑ کے انکارِ بیعت کا حال کوفہ پہنچا تو کوفہ کی برجستہ و قد آور شخصیات حضرت سلیمان ابن صرد خزاعی کے گھر جمع ہوئیں اس اجتماع سے جناب سلیمان ابن صرد خزاعی نے خطاب فرماتے ہوئے کہا:

"اے شیعو! تم جانتے ہو کہ معاویہ مر چکا ہے۔ وہ اب اپنے غلط اعمال کے نتائج دیکھنے والا ہے۔ اس نے اپنی جگہ یزید کو لا بٹھایا مگر حسینؑ بن علیؑ نے اس کی مخالفت کی اور آلِ ابی سفیان کے چنگل سے نکل کر مکہ پہنچ چکے ہیں۔ تم لوگ ان کے اور ان کے والد کے شیعہ و جانثار ہو۔ آج وہ تمہاری نصرت و مدد کی احتیاج رکھتے ہیں۔ اگر تم واقعاً ان کے مددگار اور ان کے دشمن سے جنگ کرنے والے ہو تو انھیں لکھو، اور اگر ضعف و کمزوری محسوس کرتے ہو تو انھیں دھوکا مت دو۔" [۲۱]

جناب سلیمانؓ کے اس خطاب کے بعد تمام لوگوں نے ہم آواز ہو کر کہا کہ ہم ان کے دشمن سے لڑیں گے اور ان کے سامنے شہید ہوں گے۔ اس کے بعد ایک دعوت نامہ تحریر کیا گیا جسے ابو عبداللہ جدلی کے ہاتھ مکہ روانہ کیا گیا۔

نمبر ۴: اہلِ کوفہ کا دعوت نامہ

جناب سلیمانؓ کے گھر جو دعوت نامہ تیار کیا گیا اس کا متن یوں تھا:

"حسینؑ ابن علیؑ کے نام ——— سلیمان بن صرد خزاعی،

مسیب بن نجبیہ ، رفاعہ بن شداد بجلی ، حبیب ابن مظاہر عبداللہ بن وائل اور شیعہ و مومنین کوفہ کی طرف سے ۔

حمد و ثنا کے بعد ـــــ آپؑ پر سلام ہو ـــــ حمد اس ذات کی جس نے آپ کے دشمن کو نابود کیا ـــــ آپؑ کے باپ کے دشمن کو ختم کیا جو اس امت پر مسلط تھا۔ جس نے اس امت پر حکومت کی ، ان کے مالوں کو غصب کیا اور امتؑ کی رضا کے بغیر ان پر حکومت کرتا رہا۔ اس امت کے بہترین اخیار کو اس نے قتل کر ڈالا اور اشرار کو باقی رکھا۔ مال خدا مال مسلمین کو جابر و سرکشوں کے درمیان تقسیم کرتا رہا۔ خدا اس کو نیست و نابود کرے کہ جس طرح قوم ثمود کو کیا ـــــ

بتحقیق ہم آپؑ کے علاوہ اپنا کوئی امام نہیں پاتے ۔ ہماری طرف توجہ کریں کہ خدا ہم کو آپ کے توسط سے حق و ہدایت پہ جمع فرمائے ۔

نعمان بن بشیر قصر امارہ میں موجود ہے ۔ ہم اس کے پیچھے نہ تو جمعہ میں شرکت کرتے ہیں اور نہ عید کے روز ۔ اگر ہم تک یہ خبر پہنچ گئی کہ آپؑ ہماری طرف متوجہ ہیں تو ہم اس کو نکال باہر کریں گے ۔ انشاء اللہ ۔ سلام و رحمت و برکت خدا ہو آپؑ پر اور آپؑ کے والد پر ۔" [۲۲]

نتیجہ

بزرگانِ کوفہ کے اجتماع میں گفتگو اور ان کے خط کے مضمون سے

معلوم ہوتا ہے کہ انھیں ایک سیاسی رہبر کی ضرورت تھی جو ظالم کے خلاف قیام کرے۔ ان کی نظر میں صرف امام حسینؑ ہی اس منصب کے حقدار تھے۔

نمبر ۵: امام حسینؑ کا مکتوب اہل کوفہ کے نام

کوفے سے خطوط کا ایک سلسلہ تھا جو ختم ہونے کا نام نہ لے رہا تھا۔ روایات کے مطابق قریباً ۱۲۰۰۰ خطوط مکہ میں امام حسینؑ کو کوفہ کی جانب سے موصول ہوئے۔ ان تمام خطوط کے جواب میں امامؑ نے ایک خط تحریر فرمایا اور جناب مسلمؑ بن عقیل کے حوالے کیا کہ وہ اسے کوفے جائیں۔
خط کا متن یوں ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حسینؑ بن علیؑ کی طرف سے مشائخ کوفہ کے نام ــــ ہانی اور سعید کے ذریعہ تم لوگوں کا آخری خط ملا۔ تم لوگوں نے اپنے اکثر خطوط میں جس امر پر بہت زیادہ زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ تم لوگوں کا کوئی امام و پیشوا نہیں۔ میں تم لوگوں تک پہنچوں اور راہ صواب کی ہدایت کروں۔

میں اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیلؑ کو جو ہمارے خاندان میں ہمارے نزدیک سب سے زیادہ معتبر و معتمد ہیں اور میں اپنی ضرورت پر تمھاری ضرورت کو ترجیح دیتے ہوئے ان کو تم لوگوں کے پاس روانہ کر رہا ہوں۔

میں نے انھیں تاکید کردی ہے کہ وہ قریب سے تمھارے حالات اور افکار و نظریات کا مطالعہ کریں اور مجھے اس

کی اطلاع دیں۔ اگر انھوں نے لکھا کہ عمومی خیالات اور صاحبِ فضل وعقل تم میں سے ان خطوط کے مضامین سے اتفاق کرتے ہیں جن کا تم نے اظہار کیا ہے تو انشاء اللہ بہت جلد تم لوگوں تک پہنچ رہا ہوں۔

خدا کی قسم پیشوائے حقیقی اور امام برحق وہی ہے جو کتابِ خدا پر عمل کرے۔ عدل وانصاف کو اپنا وتیرہ قرار دے حق کی پیروی کرے اور اپنے وجود کو خدا کے فرمان پر فدا کر دے۔" [۲۳]

یہ خط تحریر فرمانے کے بعد حضرت مسلم بن عقیلؑ کو طلب فرمایا اور ان کو خاص نصیحت فرمائی۔

"تقویٰ اختیار کرو اور اپنے امور کو پوشیدہ رکھو۔ لوگوں کے ساتھ لطف وکرم کا برتاؤ کرنا۔ اگر لوگ اتحاد و اتفاق رکھتے ہوں تو جلد خط لکھنا۔" [۲۴]

نتیجہ

امام حسینؑ کے اس مکتوب اور جناب مسلمؑ کو نصیحت سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

الف: امامؑ نے اپنے خط میں کوفہ والوں کی رائے اور خواہشات کو تحریر کرکے اس کی تکرار فرمائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امامؑ نے ان ۱۲۰۰۰ خطوط سے جو مفہوم اخذ کیا اسے اپنے خط میں تحریر کر دیا تاکہ آئندہ کوئی اس سے روگردانی

نہ کرے۔ کوفہ والوں کی رائے میں کوئی ان کا امام وپیشوا
نہ تھا۔ یہاں پر امام وپیشوا سے مراد ایک قائد سیاسی
ہے جو ان کو بنی امیہ کے ظلم سے نجات دلائے۔ کیونکہ
حضرت سلیمان بن صرد خزاعی وحبیب ابن مظاہر جیسی
باعظمت وبزرگ شخصیات سے بعید ہے کہ وہ امام حسینؑ
کے مدینہ یا مکہ میں ہوتے ہوئے یہ تحریر کریں کہ ہمارا امام
موجود ہی نہیں۔ چنانچہ ان خطوط میں جہاں پر ان شخصیات
نے امام وپیشوا کے نہ ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے وہاں
ان کی مراد ایک قائد وامام سیاسی ہے۔

ب : امام حسینؑ نے اپنے مکتوب میں قیام سیاسی کو مشروط
رکھا ہے اور شرط یہ عائد کی کہ پہلے جناب مسلمؑ تمام
حالات کا جائزہ لے کر اس امر کی تصدیق کریں کہ امت
اس فیصلہ پر اتحاد واتفاق رکھتی ہے اور پھر اس کے بعد
آپؑ کوفہ کی جانب روانہ ہوں۔

ج : اپنے مکتوب میں حضرتؑ نے فرمایا کہ جب جناب مسلمؑ
انھیں یہ خبر دیں گے کہ کوفہ کے اہل فضل واہل عقل بھی
اس بات پر متفق ہیں تب آپؑ مکہ سے روانہ ہو جائیں گے
اس مقام پر امامؑ کسی بھی تحریک وحرکت کی پائیداری
استقلال کے لیے ایک معیار بیان فرما رہے ہیں کیونکہ
اجتماع عوام جس قدر جلد کسی نعرہ کی طرف مائل ہوتا ہے
اسی قدر جلد اس سے دوری اختیار کر لیتا ہے۔ اور کوئی

بھی تحریک اس وقت تک مستحکم و پائیدار نہیں ہوتی جب تک کہ اہلِ دانش و بینش کی فکری نہج بھی وہی نہ ہو جو عمومی افکار کی ہے۔

۵ : اپنے خط کے آخری جملات میں آپؑ نے ایک قائد سیاسی کی تعریف فرمائی ہے۔ آپؑ کے بقول حاکم و پیشوا وہی ہو سکتا ہے جو کتابِ خدا پر عمل کرے، عدل و انصاف کا اجراء کرے، حق کی پیروی کرے اور فرمانِ خدا پر جانثاری کا مظاہرہ کرے۔

۶ : جناب مسلم بن عقیلؑ کو تقویٰ اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ امور کو پوشیدہ رکھنے کی بھی نصیحت فرما رہے ہیں۔

یہ تمام تر نکات جو اس مکتوب سے واضح ہیں اور جناب مسلمؑ کو نصیحت سے یہ بات مسلّم ہے کہ آپؑ کی تحریک و قیام کا اسلوب و سلوک ایک حرکتِ سیاسی جیسا ہے۔

نمبر ۶: بیعتِ مسلم بن عقیلؑ

اس سے قبل کہ جناب مسلمؑ کے ہاتھ کوفیوں کی بیعت کا تذکرہ کیا جائے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کتنے اقسام کی بیعتیں ہوئی ہیں اور ہوتی ہیں۔ تاکہ پھر ہم اس بات کا تعین کریں کہ جنابِ مسلمؑ کے ہاتھوں پر ہونے والی بیعت کس قسم کی بیعت تھی۔ کیونکہ یہ بیعت بھی اپنے اندر قیامِ حسینی کے اہداف و مقاصد کو لیے ہوئے ہے۔

معاشرہ انسانی میں ۳ اقسام کی بیعتیں ہوئیں اور اب بھی جدید

شکل میں ہوتی ہیں :

۱۔ بیعتِ مطابعت و پیروی

فتح مکہ پر مشرکین نے اسلام قبول کرنے کے بعد رسولِ خدا کے ہاتھ پر اسی قسم کی بیعت کی حتیٰ کہ مکہ کی خواتین تک بیعت کرنے نکل آئیں جس پر خداوند متعال نے سورۂ ممتحنہ کی آیۃ ۱۲ نازل فرمائی :

"يَآيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ
يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ
شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ
وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ
بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ
وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ
فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

ترجمہ: " اے رسولؐ جب تمھارے پاس ایماندار عورتیں

تم سے اس بات پر بیعت کرنے آئیں کہ نہ وہ کسی کو خدا کا شریک بنائیں گی نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو مار ڈالیں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی اور نہ کسی نیک کام میں تمھاری نافرمانی کریں گی تو تم ان سے بیعت لے لو اور خدا سے ان کی مغفرت کی دعا کرو اور خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔"

چنانچہ اس حکمِ خدا کے بعد آپؐ نے ایک برتن منگوا کر پانی بھروایا اور پھر ایک جانب سے آپؐ نے پانی میں ہاتھ رکھ دیا خواتین آتی جاتیں اور برتن کے دوسرے سرے سے پانی میں ہاتھ ڈالتی جاتیں اور آیت کے مضمون کے مطابق بیعت کرتی جاتیں۔

۲۔ بیعتِ خلافت

کسی شخص کا اپنی حکومت و خلافت کے بارے میں لوگوں سے رائے لینا بیعتِ خلافت کہلاتا ہے تاکہ حامی و طرفدار افراد اور مخالفین کا تشخص ہو سکے۔ چنانچہ جناب امیرؑ نے لوگوں سے بیعت لی۔ جنابِ حسنؑ نے بھی لوگوں سے بیعت لی۔ اس طریقہ نے موجودہ دور میں انتخابات کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اور کسی بھی حکومت کے لیے یہ فعل ایک ضروری اور لازمی عنصر تصور کیا جاتا ہے کیونکہ اس کے بغیر حکومت ایک جبری ڈکٹیٹر شپ کہی جاتی ہے۔

۳۔ بیعتِ جہاد

اس قسم کی بیعت میں ایک قائد و رہبر عوام و امت سے یہ بیعت لیتا ہے کہ وہ میدان جنگ و جدال میں خون کے آخری قطرات تک ثابت قدمی و استقلال کا مظاہرہ کریں گے۔ چنانچہ سنہ ۶ھ میں جناب رسولِ اکرمؐ ڈیڑھ ہزار نفر کے ہمراہ مکہ کی جانب عازم سفر ہوئے۔ مشرکین آپؐ کی راہ میں مزاحم ہوئے اور آپؐ کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ رسول اکرمؐ نے اس مسئلہ کو اپنے ہمراہ اصحاب کے سامنے رکھا اور مشاورت کی۔ اصحاب نے مشورہ دیا کہ آپؐ ہم سے 'جہاد حتیٰ الموت' کے لیے بیعت لے لیں، چنانچہ تمام اصحاب نے آپؐ کے ہاتھوں پر بیعت کر کے مشرکین سے جنگ آزما ہونے پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا۔ اس بیعت کا ذکر سورہ فتح آیۃ ۱۰ میں موجود ہے۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا"○

ترجمہ: "بے شک جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کی قوت و قدرت سب پر غالب ہے۔ تو جو عہد کو توڑے گا تو اپنے نقصان کے لیے عہد کو توڑتا ہے اور جس نے اس بات کو جس کا اس نے خدا سے عہد کیا ہے پورا کیا تو اس کو عنقریب ہی اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔"

جناب مسلم بن عقیل کا کوفہ بھیجا جانا اسی مقصد کے لیے تھا۔ جناب مسلمؑ نے کوفہ میں مختصر سی مدت میں قریباً بارہ یا اٹھارہ ہزار افراد سے بیعت لی اس بیعت کے دو ہی مقاصد ہو سکتے ہیں:

(۱) ــــ تعداد حامیین و انصاران واضح ہو جائے تاکہ امامؑ کی نصرت پر آمادہ گروہ کی افرادی قوت اور نوعیت کا اندازہ لگایا جاسکے۔

(۲) ــــ عرب میں خلفِ وعدہ اور بیعت توڑنا ایک بڑا گناہ تصور کیا جاتا تھا۔ چنانچہ جنابِ امیرؑ نے بھی طلحہ و زبیر سے اسی نقضِ بیعت پر احتجاج فرمایا۔ جناب مسلمؑ نے اہل کوفہ سے بیعت لے کر ایک التزام و پابندی ان افراد پر عائد کی جس کی رو سے وہ افراد اب پابند تھے کہ اپنے کہنے پر عمل بھی کر کے دکھائیں اور ثباتِ قدمی اور استقلال کا مظاہرہ کریں۔

نتیجہ

حضرت مسلم بن عقیلؑ کا کوفہ والوں سے بیعت لینا اس

امر پر ایک محکم دلیل ہے کہ امام حسینؑ ظلم و ناانصافی کے خلاف ایک قیام سیاسی فرما رہے ہیں۔ کیونکہ اگر اس قیام کا اسلوب و ڈھنگ سیاسی نہ ہوتا تو اس بیعت کا لینا کیا معنی رکھتا ہے۔

نمبر۳: اہلِ بصرہ کے نام امام حسینؑ کا مکتوب

امام حسین علیہ السلام نے مکہ پہنچ کر بصرہ کے سرآوردہ قبائل جناب مسیح البکری احنف بن قیس، المنذر بن الجارود، قیس ابن ہیثم، یزید ابن مسعود نہشلی وغیرہ کے نام ایک خط اپنے قاصد سلیمان ابو رزین کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

"معبود نے محمدؐ کو اپنی مخلوق میں منتخب فرمایا اور نبوت و رسالت کا درجہ تفویض کیا اور جب وہ انسانوں کی ہدایت اور اپنے فریضۂ منصبی کو انجام دے چکے تو پھر انھیں اپنی بارگاہ میں بلا لیا —— ہم ان کے اہل بیتؑ ولی، وصی اور وارث ہیں، ہم پوری ملت میں قیادت و رہبری کے دوسروں سے زیادہ اہل ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ایک گروہ ہم پر سبقت لے گیا اور ہمیں ہمارے حق سے محروم کر دیا ہم لوگوں نے بھی اپنی عظمت و منزلت، علم و آگاہی کے باوجود خاموشی اختیار کر لی۔ تاکہ ملت اسلامیہ اختلاف و انتشار سے بچ سکے اور اسلام کا شیرازہ بکھرنے سے رہ جائے ہیں نے مسلمانوں کے آرام و اطمینان کو اپنے حقوق پر مقدم رکھا۔

ہمارا قاصد تمھارے سامنے ہے ـــــ میں تمھیں کتابِ خدا و سنتِ رسولؐ کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ بتحقیق سنت مٹ چکی ہے اور بدعت زندہ ہو چکی ہے۔ اگر تم میری بات کو قبول کرو گے اور میری اطاعت کرو گے تو میں تمھیں رشد و ہدایت کی طرف لے جاؤں گا۔" ۲۵ے

یزید بن مسعود نھشلی نے اس خط کے پڑھنے کے فوری بعد بنی تمیم بنی حنظلہ اور بنی سعد کے نمائندہ افراد کو بلا بھیجا اور ان سے کہا:

"تم اپنے درمیان میرے حسب و نسب اور مقام و منزلت کو کیسا پاتے ہو؟"

افراد نے جواب دیا:

"واہ واہ کیا کہنے ـــــ خدا کی قسم آپ ہماری ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ ہمارے لیے باعث فخر و مباہات ہیں، شرف و منزلت میں بلند درجہ پر فائز ہیں بلکہ اس سے بھی بالاتر۔"

اس پر جناب ابن مسعود نھشلی نے فرمایا:

"میں نے ایک اہم کام کے لیے تمھیں یہاں جمع کیا ہے اور ایک معاملہ میں تمھاری رائے اور مدد حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

افراد نے کہا:

"واللہ ہم بہترین رائے دینے کی کوشش کریں گے۔ ہم تیار ہیں۔ آپ ہمیں بات بتائیں۔"

اس پر جناب یزید بن مسعود نھشلی نے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا جس کا متن یوں ہے:

"معاویہ مرچکا ــــ خدا نے اسے نابود و ختم کیا۔ اس کے مرنے سے جور و ستم کے دروازے ٹوٹ گرے اور ظلم و استبداد کے ستون لرز گئے۔ اس نے اپنی زندگی میں ایک بیعت لی تھی، وہ گمان کرتا تھا کہ اس نے اس بیعت کو محکم کر دیا ہے مگر اس کی خواہش کا پورا ہونا محال و بعید ہے اس نے جو کوشش کی وہ ناکام ہو گئی۔ اب یزید فاسق و شرابی اور فاجروں کا سردار مسلمانوں کے اوپر دعویٰ خلافت کر رہا ہے اور بغیر امت کی رضا کے امیرالمومنین بننا چاہتا ہے۔ وہ علم و حلم کے لحاظ سے قلت و کمی کا شکار ہے۔ حق و حقیقت کی ابجد سے ناواقف ــ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس سے جہاد کرنا مشرکین سے جہاد کرنے سے افضل و برتر ہے۔

اور یہ حسینؑ بن علیؑ، صاحبِ شرافت افضل رائے کے حامل ہیں ــــ ان کی فضیلت و منزلت حدِ احساس سے باہر ہے۔ ان کا علم ایک ایسا سمندر ہے جو خشک نہیں ہو سکتا ــــ وہ اس منصب کے لیے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ کیونکہ آپؑ سابقہ اسلام ہیں۔ عمر کے لحاظ سے بھی بزرگ ہیں اور قرابت رسولؐ کے لحاظ سے بھی بزرگ۔ وہ تمھارے چھوٹوں پر شفقت اور بزرگوں پر رحم فرمائیں گے۔ اس امت کے لیے حسینؑ کا انتخاب کرو۔ وہ قوم کے امام ہیں اور حجت خدا ہیں۔ خدا نے

ان کے ذریعہ تم پر اتمام حجت کیا۔ نورِ حق دیکھنے
سے آنکھوں کو بند نہ کرو اور باطل کی گرفت میں اپنے
آپ کو نہ دے دو۔
تحقیق صخر بن قیس نے علیؑ کا ساتھ نہ دے کر تمھاری
پیشانی پر جو داغ ڈالا اس عار و ذلت کو نصرتِ حسینؑ
کے ذریعے دھو ڈالو ـــــ خدا کی قسم جو بھی ان کی
نصرت میں کوتاہی کرے گا اس کی آئندہ نسلیں ذلت و
رذالت وراثت میں پائیں گی اور تعداد میں کمی پر منتہی
ہوں گی ـــــ میں جنگی لباس پہن چکا ہوں ـــــ
یقین رکھو جو شہید نہ ہو گا وہ مرنے سے بچ نہ جائے گا
جو شہادت سے بھاگے گا وہ موت سے نہ بچ سکے گا
احسان کرو۔ خدا تم پر رحم کرے۔" ۴۶

اس پر بنی حنظلہ کے نمائندہ افراد نے جواب دیا:
"اے ابا خالد! ہم تیرے ترکش کے تیر ہیں اور تیرے
قبیلہ کی سواری ہیں۔ اگر ہمارے ذریعہ دشمن سے جہاد کرو گے
تو فتح نصیب ہو گی۔ جس سخت سے سخت معرکہ میں تم
داخل ہو گے اس معرکہ میں ہم بھی تمھارے ہمراہ ہوں گے
اور جب تم چاہو گے تو اپنے جسموں اور تلواروں سے تمھارا
دفاع کریں گے۔"

چنانچہ اسی طرح بنی تمیم و بنی سعد نے بھی ابن مسعود کی نصرت و مدد کی
ہامی بھری۔

اس کے بعد ابن مسعود نہشلی نے امام حسینؑ کو ایک جوابی خط ارسال فرمایا جس کا متن یہ تھا:

"فرزندِ رسولؐ! آپؑ کا خط ملا۔ آپؑ نے جس امر کی طرف دعوت دی میں نے جان لیا۔ آپؑ چاہتے ہیں کہ ہم آپؑ کی اطاعت کریں اور آپؑ کی نصرت و مدد کر کے فوزِ عظیم اور کامیابی حاصل کریں۔

خدا نے اس زمین کو کبھی بھی داعیان و راہنمایانِ حق و حقیقت سے خالی نہ چھوڑا۔ آپؑ بندگانِ خدا پر حجتِ خدا ہیں اور حجت سابقہ کے وارث و امانتدار ہیں۔

ہم نے بنی تمیم کی گردنیں آپ کے لیے جھکا دی ہیں اور وہ اس حال میں ہیں کہ جس طرح ایک پیاسا اونٹ پانی کے لیے بے قرار و مضطرب ہو۔ اسی طرح بنی سعد کی گردنیں بھی جھکی ہوئی ہیں اور ان کے دلوں کی کدورتوں کو دھو دیا گیا ہے۔" [۲۷]

یہ خط جب امام حسینؑ کے پاس پہنچا تو آپؑ نے فرمایا:

"اے ابن مسعود نہشلی۔ خدا تمھیں روزِ خوف (قیامت) امن دے اور عزت بخشے۔ خدا تمھیں سیراب کرے اس روز جب سب تشنہ ہوں گے۔"

نتیجہ

امام حسینؑ کا اہلِ بصرہ کے نام خط، اس خط پر ابنِ مسعود

کا ردِعمل، امام حسینؑ کے نام ابنِ مسعود کا جوابی خط اور پھر امامؑ کا ابنِ مسعود کے حق میں دعا کرنا۔ ان تمام تر بیانات جملات سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

① ——— جناب امام حسینؑ نے اپنے خط میں واضح طور پر اپنے آپؑ کو خلافت و حکومت کا حقدار بتایا۔

② ——— آپؑ نے قیام نہ کرنے اور سکوت اختیار کرنے کا سبب یہ بتایا کہ ایسا کرنے کی صورت میں امت افتراق و انتشار کا شکار ہو جاتی۔

③ ——— امامؑ اہلِ بصرہ کو اس خط کے ذریعہ یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ آئینِ اسلام معطل ہو چکا ہے اور اس کی بحالی کی واحد صورت یہ ہے کہ امت امام حسینؑ کی نصرت و مدد کرے اور جس کے نتیجہ میں رشد و ہدایت کی منازل پر فائز ہو جائے۔

④ ——— ابنِ مسعود نہشلی کے خطبہ سے واضح طور پر یہ تاثر ملتا ہے کہ بنی امیہ کی حکومت ظلم و جور اور جبر و استبداد کی بنیادوں پر قائم ایک طاغوتی حکومت تھی اور خلافت یزید خلاف شریعت و قانون ایک مسلط کردہ حکومت تھی۔

⑤ ——— یزید کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے جہاد مسلحانہ کی ضرورت تھی جس پر جناب ابنِ مسعود نے اپنے خطبہ میں واضح اشارہ فرمایا۔

⑥ ——— ابنِ مسعود کے خطبہ سے یہ امر بھی واضح ہے کہ آپ کی

نظر میں امتِ مسلمہ کی رہبریت وپیشوائی کے لیے اگر کوئی ہستی سزاوار ہے تو وہ حسینؑ ابن علیؑ کے علاوہ کوئی اور نہیں۔

⑦ ـــــ جناب ابنِ مسعود نے ان افراد کو جو نصرتِ امامؑ سے راہِ فرار اختیار کرنا چاہتے تھے ذلت ورسوائی کا خوف دلایا۔

⑧ ـــــ جناب ابن مسعود نہشلی کے خط کے جواب میں آپ کے حق میں امام حسینؑ کا دعا فرمانا واضح کرتا ہے کہ ابن مسعود نے امام حسینؑ کی منشا و مرضی کو صحیح جان لیا تھا چنانچہ اسی لیے امامؑ نے آپ کے حق میں دعا فرمائی۔

یہ تمام تر بیانات و کلمات اور اوپر بیان کردہ نکات سے یہ بات واضح وروشن ہو کر سامنے آتی ہے کہ امامؑ کا قیام ایک قیام سیاسی تھا۔

نمبر: ابنِ زیاد کا خطبہ

جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ لوگ جناب مسلمؑ کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں اور آپؑ روپوشی میں ہیں تو اس نے اپنے معتمد خاص عمر ابن نافع کو حکم دیا کہ وہ کوفہ میں منادی کرے کہ تمام افراد مغربین کے بعد مسجد میں جمع ہو جائیں اور جو شخص بھی اس وقت مسجد میں نہ ہوا وہ اپنی زندگی کا خود ذمہ دار ہوگا چنانچہ بعد مغربین ابن زیاد اپنے محافظوں کے نرغے میں مسجد میں داخل ہوا اور ایک خطبہ دیا جس کا متن یہ ہے:

"ابن عقیل جاہل و نادان ہے۔ اس ملک میں جو افتراق انتشار اس نے پھیلایا تم اس سے بخوبی واقف و آگاہ ہو

خبردار ہم ہر اس شخص کی جان و مال سے برات کا اعلان کرتے ہیں جس کے گھر میں مسلمؑ پائے گئے۔ اے بندگان! خدا سے ڈرو اور اپنی اطاعت و بیعت کو بدستور قائم رکھو اور اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالو۔"

یہ خطاب واضح کرتا ہے کہ جناب مسلم بن عقیلؑ کا کوفہ وارد ہونا اور اہلِ کوفہ سے بیعت لینا حکومتِ وقت کے لیے ایک خطرہ بن گیا تھا۔ چنانچہ اسی لیے ابن زیاد نے اسے انتشار و افتراق سے تعبیر کیا۔

نمبر ۹: جنابِ مسلمؑ کی ابنِ زیاد سے گفتگو

جب جناب مسلمؑ کو گرفتار کر کے قصرِ ابنِ زیاد میں لایا گیا تو آپؑ نے اس ملعون کو سلام نہ کیا۔ اس پر درباریوں نے کہا:

"امیر کو سلام کرو۔"

آپؑ نے فرمایا:

"وائے ہو تم پر۔ یہ میرا امیر نہیں۔"

عبیداللہ ابن زیاد نے یہ جواب سُن کر کہا:

"یا عاق۔ یا شاق (اے بیعت سے نکلنے اور افتراق پھیلانے والے) تم نے اپنے امام پر خروج کیا، مسلمانوں میں افتراق پھیلایا اور فتنہ برپا کیا۔"

اس پر جنابِ مسلمؑ نے جواب دیا:

"مسلمانوں میں افتراق و انتشار پھیلانے والے معاویہ اور معاویہ کا بیٹا یزید ہے۔ اس امت میں فتنہ برپا کرنے والے

تم اور تمھارا باپ ہے۔ میں خدا سے امید رکھتا ہوں کہ
بدترین خلائق کے ہاتھوں شہید کیا جاؤں۔"

عبید اللہ ابنِ زیاد نے کہا:
"کیا تم خلافت وحکومت کے بارے میں گمان رکھتے ہو۔"

جناب مسلمؑ نے جواب دیا:
"میں گمان نہیں بلکہ یقین رکھتا ہوں۔"

عبید اللہ ابنِ زیاد نے کہا:
"افسوس! اے فرزندِ عقیل —— تم ایسے لوگوں میں آئے جو اتحاد واتفاق رکھتے تھے۔ تم نے ان کے درمیان افتراق و انتشار کو ہوا دی اور ان میں سے بعض کو بعض پر سوار و مسلّط کیا۔"

اس پر جناب مسلمؑ نے جواب دیا:
"ہرگز ایسا نہیں! میں اس لیے یہاں نہیں آیا۔ بلکہ ان لوگوں کا خیال تھا کہ تم نے منکرات کو رواج دیا اور معروفات کو چھوڑ دیا۔ تم نے ان پر بغیر ان کی رضا و مرضی کے حکومت کی۔ لوگوں کو اس طرف دعوت دی جس طرف خدا نے منع فرمایا تھا۔ تمھارے باپ نے ان سے قیصر و کسریٰ جیسے مظالم روا رکھے۔ میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ انھیں معروف کا حکم دوں اور منکرات سے روکوں۔ حکمِ خدا و کتاب کی طرف دعوت دوں کہ ہم اس کے اہل و حقدار ہیں۔" [۴۸]

دربارِ ابنِ زیاد میں جناب مسلمؑ اور ابنِ زیاد کے درمیان جس قدر بھی گفتگو ہوئی وہ مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل تھی:

(۱) ——— مسئلہ خلافت

(۲) ——— امت کی محرومیت و مظلومیت

(۳) ——— ظالم و جابر حکمرانوں کا تسلط

ہم اہلِ دانش سے سوال کرتے ہیں کہ یہ گفتگو اگر "سیاسی" نہیں تو پھر کیا ہے ———؟

نمبر۱۰: اہلِ کوفہ کے نام امام حسینؑ کا دوسرا مکتوب

حضرت امام حسینؑ جب منطقۂ حاجر میں پہنچے تو ایک خط اہلِ کوفہ کے نام تحریر فرمایا جسے قیس بن مسہر صیداوی اسدی کے ذریعہ روانہ فرمایا۔

"اما بعد ——— مسلم بن عقیلؑ کے خط سے پتہ چلا کہ تم لوگ ہماری نصرت اور ہمارے حق کی حفاظت میں کوشاں ہو معبود سے التجا ہے کہ ہم لوگوں کا خاتمہ بخیر فرمائے اور تم لوگوں کو تمھارے اتحاد و اتفاق پر اجرِ عظیم کرامت فرمائے میں ہشتم ۸ ذی الحجہ بروز سہ شنبہ مکہ سے نکل چکا ہوں اور تم لوگوں کی طرف آ رہا ہوں۔ میرے قاصد کے پہنچنے کے بعد اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دیتے رہو اور کوشش جاری رکھو۔ میں بھی چند دنوں میں پہنچ رہا ہوں۔ والسلام"۔[۲۹]

اس خط کے مضمون سے مقصدِ قیامِ حسینؑ واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ ساتھ ساتھ آپؑ نے اپنے ناصرین و مددگاران کو بھی تعریفی کلمات سے نوازا۔

نمبر ۱۱ : واقعۂ تنعیم

امام حسینؑ جب مکہ سے نکل کر منزلِ تنعیم پر پہنچے جو مکہ سے ۲ فرسخ کے فاصلہ پر ہے تو والیٔ یمن بحیر بن یسار الحمیری کی طرف سے یزید کے لیے تحفہ و تحائف پر مشتمل ایک قافلہ جا رہا تھا۔ امام حسینؑ نے قافلہ والوں سے تمام مال و متاع چھین لیا اور اونٹوں کے مالکوں سے کہا

"جو ہمارے ساتھ عراق جانے کے لیے تیار ہے ہم اس کو اونٹوں کا کرایہ بھی دیں گے اور ان کی خدمت بھی کریں گے اور جو ہم سے جدا ہونا چاہیں ہم یمن سے یہاں تک کے واجبات ادا کر دیں گے۔"

چنانچہ بعض اونٹ والے آپؑ کے ساتھ ہو لیے اور بعض واپس چلے گئے۔ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۱۶۔ کتاب الارشاد شیخ مفید)

نتیجہ

یہ مال جو والیٔ یمن کی جانب سے اس وقت کے نام نہاد خلیفۃ المسلمین کے دربار میں بھیجا جا رہا تھا اس کا اس طرح سے چھین لینا ظاہری طور پر صحیح نظر نہیں آتا لیکن امام حسینؑ اس مال و منال پر قبضہ کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ مال مسلمین کا مال ہے اور اس کا واحد امانتدار وہ ولی و حکمران ہے جو اس منصب کا صحیح حقدار ہے چنانچہ اس مال کو اپنے قبضہ میں کر لینے سے امامؑ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے مال کے امین وہ ہیں نہ کہ یزید بن معاویہ۔ امام کا یہ فعل ان کے قیام کی سیاسی

تفسیر یہ واضح و محکم دلیل ہے بلکہ اس کی حکومت کے خلاف ایک عملی اقدام ہے۔

نمبر ۱۲: لشکرِ حُر سے امامؑ کا پہلا خطاب

مقامِ شراف پر امام حسینؑ نے لشکرِ حُر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

" لوگو! میری یہ تقریر خدا اور تم لوگوں کے سامنے معذرت کا اظہار ہے۔ میں تمھاری طرف اس وقت تک نہیں آیا جب تک کہ تمھارے خطوط اور پیغامات کے ڈھیر میرے پاس جمع نہیں ہو گئے۔ جن میں تم نے لکھا تھا کہ ہم قیادت سے محروم ہیں۔ شاید اس بہانہ آپؑ کے توسط سے ہم ہدایت پر گامزن ہو جائیں۔

اگر تم اپنی دعوت پر باقی ہو تو میں اب یہاں تک آچکا ہوں۔ تمھارا فریضہ ہے کہ میرے لیے ایک ایسا ثبوت فراہم کرو کہ جو مجھے تمھارے پچھلے عہد و پیمان کے سلسلے میں مطمئن کر سکے۔

اور اگر تم ہماری آمد پر راضی نہیں تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں گا۔" [۳۰]

نمبر ۱۳: لشکرِ حُر سے امامؑ کا دوسرا خطاب

منزلِ شراف پر ہی امام حسینؑ نے لشکرِ حُر کے سپاہیوں کو مخاطب کر کے ایک اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس کا متن یوں تھا:

"ایہاالناس! اگر تمھارے دلوں میں خوفِ خدا ہے اور
اگر اس بات کے معترف بھی ہو کہ حق اہل حق کو مل جائے
تو اس میں خدا کی خوشنودی زیادہ ہے۔
ہم اہل بیت محمدؐ (اسلام کی قیادت و رہبری کے لیے)
ان لوگوں سے (زیادہ سزاوار ہیں) کہ جو ایسی چیز کا دعویٰ
کرتے ہیں کہ جو ہرگز ان کے لیے نہیں اور جو امت کے
لیے ظلم وجور کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں۔
اگر تم اپنے ارادوں پر مُصر ہو، ہماری مخالفت سے
باز نہیں آؤ گے اور تم نے ہمارے حق کو نہیں پہچانا تو
اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمھاری موجودہ روش تمھارے
خطوط سے بالکل مختلف ہے۔ تو ایسی صورت میں میں
اسی جگہ سے واپس چلا جاؤں گا۔" [۳۱]

نمبر ۱۴: لشکرِ حُر سے امامؑ کا تیسرا خطاب

منزل بیضا پر امام حسینؑ نے لشکرِ حُر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:
"اے لوگو! بے شک رسول اللہؐ نے فرمایا:
"جس نے ایسے حاکم کو دیکھا کہ جو ظالم ہو
حرامِ الٰہی کو حلال کردے، اس کے عہد و
پیمان کو توڑے، سنتِ رسولِ خداؐ کا
مخالف ہو۔ بندگانِ خدا کے درمیان
گناہ و معصیت بجا لاتا ہو لیکن اس کی

تبدیلی کے لیے قول و فعل سے کوئی حرکت
انجام نہ دے تو خدا حق رکھتا ہے کہ
اسے ظالم کے ساتھ داخلِ جہنم کر دے"۔

لوگو! خبردار ہو جاؤ۔ یہ لوگ شیطان کی اطاعت پر تُل گئے ہیں۔ خدا کی اطاعت کو ترک کر چکے ہیں۔ فساد کی ترویج کے لیے کوشاں ہیں۔ حدود و احکام الٰہی کو معطل کر چکے ہیں۔ "مالِ فی "کو (کہ جو عمومِ مسلمین سے متعلق ہے) اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ حلالِ خدا کو حرام اور حرامِ خدا کو حلال کر دیا ہے۔

اور میں اس فساد کی روک تھام کے لیے دوسروں کی نسبت زیادہ حقدار ہوں۔ جبکہ تمھارے خطوط بھی میرے پاس آئے ہیں اور تم لوگ میرے نمائندے کے ہاتھ پر بیعت بھی کر چکے ہو کہ نہ تم مجھے دشمن کے حوالے کرو گے اور نہ ہی مجھے تنہا چھوڑو گے۔

پس اگر تم اپنی بیعت پر آخر تک رہے تو یقیناً انسانی سعادت سے ہم کنار ہو گے۔ کیونکہ میں حسینؑ، علیؑ اور دخترِ رسولؐ فاطمہؑ کا بیٹا ہوں۔ میری جان تمھاری جانوں کے ساتھ ہے اور تمھارے افرادِ خاندان ہمارے گھر والے ہیں۔

تمھارے لیے میں بہترین اسوۂ عمل ہوں۔ اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا اور اپنے عہد کو توڑ دیا۔ اپنی گردنوں

میں پڑی بیعت کی زنجیر کو اُتار پھینکا تو یہ کوئی نئی بات نہیں
ہو گی ۔ تم نے یہی بے وفائی میرے باپ، بھائی اور چچا زاد
بھائی کے ساتھ کی ۔ وہ شخص دھوکے میں ہے کہ جس نے
تمھاری باتوں پر اعتبار کیا۔
تم وہ لوگ ہو جنھوں نے اسلام میں اپنے حصہ کے
حصول کے لیے غلط راہ کو اختیار کیا اور اپنے حق کو اپنے
ہاتھ سے گنوا دیا۔
جو کوئی بھی عہد شکنی کرے گا وہ خود اس کے لیے نقصان دہ
ثابت ہو گی ۔
خدا ہمیں تم لوگوں سے بے نیاز فرمائے ۔ والسلام علیکم ۔“[۳۲]

نتیجہ

لشکرِ حُر سے امام حسینؑ کے خطاب کردہ یہ تین خطبات جن نکات پر مشتمل ہیں وہ اس امر پہ واضح و روشن دلیل ہیں کہ امامؑ کا قصدِ قیام منصبِ ولایت کو غاصبین کے ہاتھوں سے نجات دلانا تھا چونکہ اس مقصد کے حصول کے لیے اعوان و انصار کی ضرورت تھی اس لیے آپؑ افراد کو اپنی نصرت و حمایت کی طرف دعوت دیتے رہے۔ مگر جب کسی بھی طرف سے کسی قسم کی حمایت و نصرت کی امید نہ رہی تو امامؑ نے واپس حجاز جانے پر اصرار فرمایا۔

اگر امامؑ کے پیشِ نظر کوئی اور ہدف و مقصد ہوتا تو آپ واپسی کے لیے اصرار کبھی نہ فرماتے ۔

نمبر ۱۵: میدانِ کربلا میں اصحاب سے امامؑ کا خطاب

میدانِ کرب و بلا میں امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کے استقلال و استقامت سے آگاہی کے لیے ایک خطاب فرمایا جس کا متن یوں ہے:

"لوگ دنیا کے بندہ و غلام بن چکے ہیں۔ دین ان کی زبانوں تک محدود ہے۔ ان کی تمام تر کوششیں ان کی معاشی منفعتوں کے گرد گھومتی ہیں۔ جب بھی یہ کسی امتحان میں مبتلا ہوتے ہیں دیانتداری ان سے رخصت ہو جاتی ہے۔"

حمد و ثنا خداوند متعال کے بعد مزید فرمایا:

"جو کچھ ہمیں درپیش ہے وہ تم سے پوشیدہ نہیں۔ حالات نے اپنا رُخ بدل لیا ہے۔ یہ دنیا ہم سے ناآشنا ہو چکی ہے اور اس نے ہماری طرف اپنی پشت پھیر لی ہے۔ اب اس دنیا میں ہمارے لیے کوئی چیز نہیں رہ گئی مگر اس قدر جتنی کہ کسی برتن میں اس کی تری ہو۔
یہ زندگی حیوانات کی چراگاہ کی مانند حقیر ہو چکی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور لوگ باطل سے باز نہیں آتے۔ ایسے میں ہر مومن کو چاہیے کہ ایسی زندگی سے ملاقاتِ خداوندی (لقاء اللہ) کو ترجیح دے۔
میں۔ حسین ابن علیؑ ــــ موت کو جز سعادت اور ظالمین کے ساتھ زندگی کو فقط ذلت و نابودی کے علاوہ کچھ نہیں پاتا۔" ۳۳؎

نتیجہ

امام حسینؑ کے اس خطاب سے مندرجہ ذیل چند نکات سامنے آتے ہیں؛

○ —— لوگوں نے امامؑ سے جو وعدے کیے تھے وہ ان کے دلوں سے نہ تھے بلکہ فقط زبانی حد تک محدود تھے۔ اب جن لوگوں نے امامؑ کو دعوت دی اور ان کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے آپؑ کے نمائندے کے ہاتھوں بیعت کی۔ وہی لوگ اب آپؑ سے لڑنے کے لیے میدانِ جنگ میں اتر آئے تھے۔ چنانچہ اب تک امام حسینؑ نے لوگوں سے جو امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں وہ ٹوٹ چکی ہیں۔

○ —— امام حسینؑ ان حالات کے بیان کے بعد فرماتے ہیں کہ اب ایسے حالات میں فقط "شہادت" کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں۔

امامؑ نے اپنے اس خطاب میں فرمایا کہ کیونکہ دنیا نے ہم سے رخ موڑ لیا اور ہماری طرف پشت پھیر لی چنانچہ اس لیے اب سوائے شہادت کے اور کوئی چارہ نہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر دنیا ایسا نہ کرتی اور ایسے حالات نہ پیدا ہوتے تو امام کا رویہ و ہدف کیا ہوتا؟

بالفاظِ دیگر وہ کیا شے تھی جو امامؑ کی توقعات پوری ہونے پر امامؑ کو مطلوب تھی؟

نمبر ۱۶: جناب علی اکبرؑ کا رجز

رجز ان اشعار کو کہتے ہیں جو عرب بوقتِ جنگ اپنے حسب ونسب اور اپنی جنگ کے مقاصد و اہداف کو واضح کرنے کے لیے پڑھا کرتے تھے روزِ عاشورا پڑھے جانے والے رجزوں میں سے ایک جناب علی اکبرؑ کا رجز ہے جس میں آپ واضح طور پر اپنے والدِ بزرگوار کے اہداف و مقاصد کو بیان فرما رہے ہیں۔

آپؑ فرماتے ہیں:

"میں فرزندِ حسین ابن علیؑ ہوں۔
ربِ کعبہ کی قسم ہم سب سے زیادہ نبیؐ سے قربت رکھتے ہیں
بخدا ولدِ حرام ہم پر حاکم نہیں بن سکتا
میں تلوار سے تمہارے خلاف جنگ کروں گا
اور اپنے باپ کا دفاع کروں گا
اور ایسی ضربت لگاؤں گا
جو ہاشمی و قریشی جوانوں کا شیوہ ہے۔"

ان تمام تر بیانات، کلمات و واقعات کی روشنی میں ہم قارئین سے یہ سوال کریں گے کہ اگر امام کا قیام ایک سیاسی قیام و نہضت نہ تھی تو اور کیا تھا؟ اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ آپؑ کا قیام سیاسی نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ قیام سیاسی ہوتا تو امامؑ کا لب ولہجہ اس کے علاوہ اور کیا ہونا چاہیے تھا؟

تفسیرِ سیاسی
پر
اعتراضات اور ان کے جواب

پہلا اعتراض

تفسیرِ سیاسی پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جناب امیرالمومنینؑ اور دیگر ائمہ کرامؑ نے خلافت وحکومت کی مذمت فرمائی۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک قابلِ مذمت شے کے حصول کے لیے امام حسینؑ اس قدر مصائب برداشت کرتے۔

جناب امیرؑ خطبہ شقشقیہ کے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اور تم اپنی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ناقابلِ اعتنا پاتے۔"

اسی طرح نہج البلاغہ کے خطبہ ۵ میں ارشاد امیرالمومنینؑ ہے۔

"یہ گدلا پانی اور ایسا لقمہ ہے جو کھانے والے کے گلے میں پھنسے گا......."

ایک اور مقام پر مولاؑ نے فرمایا ہے:

"اگر میرے پیش نظر حق کا قیام اور باطل کا مٹانا نہ ہو تو تم لوگوں پر حکومت کرنے سے یہ جوتا مجھے کہیں زیادہ عزیز ہے۔"

قتل عثمان کے بعد جب جناب امیرؑ کے ہاتھ پر بیعت کا ارادہ کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا:

"مجھے چھوڑ دو اور اس (خلافت) کے لیے میرے علاوہ کوئی اور ڈھونڈ لو۔" ۳۴

اسی طرح خطبہ ۱۳۵ کے آخری کلمات میں خلافت و حکومت سے بے اعتنائی کا اظہار کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا:

"تم اس طرح بیعت بیعت پکارتے ہوئے میری طرف بڑھے جس طرح نئی بیاہی ہوئی بچوں والی اونٹنیاں اپنے بچوں کی طرف آئیں لیکن میں نے اپنا ہاتھ تم سے کھینچ لیا۔"

نفسِ سیاسی پر اعتراضات کرنے والے مندرجہ بالا کلمات و خطباتِ جناب امیرؑ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جب جناب امیرؑ کئی مقام پر خلافت کی مذمت، بے اعتنائی اور اس کی اہمیت سے صرفِ نظر کرتے نظر آتے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ آپؑ کے فرزند امام سوم جناب امام حسینؑ اسی غیر اہم منصب و ولایت کے حصول کے لیے اس قدر بڑا قدم اٹھاتے۔

جواب

جناب امیرؑ کے ارشادات، مکتوبات اور خطبات کے مطالعہ کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں خلافت کی مذمت میں آپؑ کے ارشادات موجود ہیں وہاں منصب و ولایتِ مسلمین کے حصول اور اس کو اس کے صحیح حقداروں تک پہنچانے کے لیے جدوجہد حتیٰ کہ جہاد کی

ضرورت پر بھی اقوال و کلمات موجود ہیں۔

اولاً ہم قارئین کے سامنے جناب امیرؑ کے وہ اقوال و ارشادات پیش کریں گے جہاں آپؑ منصبؒ ولایت مسلمین کی اہمیت اور اس کے حصول کے لیے جدوجہدؒ کاوشش پر زور فرمارہے ہیں اور ان کلمات کے بیان کے بعد قارئین کے ذہنوں سے اس تضاد و الجھن کو دور کریں گے جو ان 'بظاہر' متضاد بیانات سے عقل انسانی میں نمو پاسکتے ہیں لیکن ہم قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ خود بھی ان خطبات کے سیاق وسباق پر غور فرمائیں۔

نہج البلاغہ میں جناب امیرؑ فرماتے ہیں:

"اے لوگو! تم تمام لوگوں میں خلافت کا اہل وہ ہے جو اس (کے نظم ونسق کو برقرار رکھنے) کی سب سے زیادہ قوت و (صلاحیت) رکھتا ہو اور اس کے بارے میں اللہ کے احکامؑ سے زیادہ جانتا ہو۔

اس صورت میں اگر کوئی فتنہ پرداز فتنہ کھڑا کرے تو (پہلے) اسے توبہ و بازگشت کے لیے کہا جائے گا اور اگر وہ انکار کرے تو اس سے جنگ وجدال کیا جائے گا۔

اپنی جان کی قسم اگر خلافت کا انعقاد امت کے ایک جگہ اکٹھا ہونے سے ہو تو اس کی کوئی سبیل ہی نہیں۔ بلکہ اس کی صورت تو انھوں نے یہ رکھی تھی کہ اس کے کرتا دھرتا لوگ اپنے فیصلہ کا ان لوگوں کو بھی پابند بنائیں گے جو بیعت کے وقت موجود نہ ہوں گے پھر موجود کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ (بیعت سے) انحراف کرے اور نہ غیر موجود کو یہ حق ہوگا کہ وہ کسی اور کو منتخب کرے۔ دیکھو میں

دو شخصوں سے جنگ ضرور کروں گا۔ ایک وہ جو ایسی چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی نہ ہو اور دوسرا وہ جو اپنے معاہدہ کا پابند نہ رہے۔" ۲۵

نہج البلاغہ خطبہ ۲۴ صفحہ ۱۶۱ میں آپؑ ارشاد فرماتے ہیں:

"مجھے اپنی زندگی کی قسم میں حق کے خلاف چلنے والوں اور گمراہی میں بھٹکنے والوں سے جنگ میں کسی قسم کی رُو رعایت اور سُستی نہ کروں گا۔"

نہج البلاغہ خطبہ ۴۳ صفحہ ۱۹۹ میں جناب امیرؑ فرماتے ہیں:

"اس چیز کو میں تمھارے لیے برا نہیں سمجھتا کہ (در پردہ) جنگ کا ساز و سامان کرتے رہو۔ میں نے اس امر کو اچھی طرح پرکھ لیا ہے اور اندر باہر سے دیکھ لیا ہے۔ مجھے تو جنگ کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔"

نہج البلاغہ خطبہ ۵۴ صفحہ ۲۰۹ میں آپؑ فرماتے ہیں:

"میں نے اس امر کو اندر باہر سے الٹ پلٹ کر دیکھا تو مجھے جنگ کے علاوہ کوئی صورت نظر نہیں آئی یا یہ کہ محمدؐ کے لائے ہوئے احکام سے انکار کر دوں لیکن آخرت کی سختیاں جھیلنے سے مجھے جنگ کی سختیاں جھیلنا سہل نظر آیا اور آخرت کی تباہیوں سے دنیا کی ہلاکتیں میرے لیے آسان نظر آئیں۔"

ان تمام تر بیانات سے خلافت و ولایت کی اہمیت واضح ہو کر سامنے آتی ہے جیسا کہ ہم نے تفسیر سیاسی کے مقدمہ میں عرض کیا کہ اگر حصولِ اقتدار و خلافت ۔حصول مال و منال جاہ و حشمت ، زر و زیور اور خواہشاتِ نفسانی کی بجا آوری کے لیے ہو تو درست ہے کہ

یہ ایک قابلِ مذمت و نجس شے ہے اور جناب امیرؑ نے جن جن مقامات پر خلافت کی مذمت کی اسی منطق کی رُو سے کی۔ اور ایسے ہی افراد کے سامنے کی جن کے پیش نظر ہر قسم کے مادی و دنیاوی فائدے و منفعت اور ذاتی خواہشات کے حصول کا بہترین ذریعہ اقتدار و حکومت تھا۔

چنانچہ ضروری تھا کہ ایسے حالات میں کہ جب خلافت ملوکیت کی شکل اختیار کیے ہوئے تھی اور ایسے افراد کے سامنے کہ جو حصول اقتدار کو حصولِ سیم وزر سمجھتے تھے جناب امیرؑ واضح الفاظ میں اس قسم کی ولایت و خلافت کی اصلیت لوگوں کے سامنے واضح و آشکار کر دیں اور لوگوں کو بتا دیں کہ علیؑ کا مطمع نظر کچھ اور ہے۔

دوسری طرف جہاں خلافت و اقتدار امورِ ملت کے حل کرنے کا ایک وسیلہ ہو، مظلومین و محرومین کی دستگیر و ہمنوا ہو اور ظالموں کے لیے فنا و نابودی کا پیام ہو۔ ایسی خلافت و ولایت کا حصول یقیناً اوجب الواجبات یعنی دیگر واجب اعمال و افعال سے بھی بلند تر و بالاتر ہے کیونکہ ایسی حکومت دیگر واجبات کے قیام میں اولین کردار ادا کرتی ہے۔

یقیناً اگر مطمع نظر یہ ہو —— ایک صالح رہبر و قائد موجود ہو —— تو اس منصب کے حصول کے لیے جہاد بھی ضروری ہے۔

مولائے کائنات نے اس خلافت کے لیے کوشش کی یہاں تک کہ آپؑ کے دشمنوں نے آپ پر حریص ہونے کا الزام لگایا:

> "مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا کہ اے ابن ابی طالب آپ تو اس خلافت پر للچائے ہوئے ہیں تو میں نے کہا کہ خدا کی قسم تم اس پر کہیں زیادہ حریص اور (اس منصب کی اہلیت سے) دور ہو اور میں اس کا اہل اور (پیغمبرؐ سے) نزدیک تر ہوں۔ میں نے تو اپنا حق طلب کیا ہے۔ اور تم

میرے اور میرے حق کے درمیان حائل ہو جاتے ہو اور جب اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں تو تم میرا رُخ موڑ دیتے ہو۔" ۳۶ے

"ہمارا ایک حق ہے اگر وہ ہمیں دیا گیا تو ہم لے لیں گے ورنہ ہم اونٹ کے پیچھے پٹھوں پر سوار ہوں گے۔ اگرچہ شب اولیٰ طویل ہو" ۳۷ے

سید رضی شرح میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "خلافت و امامت ہمارا حق ہے اگر ہمیں نہ دیا گیا تو چاہے طویل مدت ہی کیوں نہ ہو ہم اپنی کوشش کو جاری رکھیں گے۔"

اسی طرح امام حسینؑ نے اپنے قیام کے ہر ہر مرحلہ پر عملی طور پر اس کا ثبوت بہم پہنچایا۔ آپؑ کے ارشادات و خطبات ہمارے اس استدلال پر واضح و روشن دلیل ہیں۔

دوسرا اعتراض

تفسیر سیاسی پر ایک اعتراض قلت انصار و اعوان کو دلیل بنا کر پیش کیا جاتا ہے بقول معترضین جناب امیرؑ، امام حسنؑ، امام محمد باقرؑ اور دیگر ائمہ کرامؑ سے جب بھی قیام نہ کرنے کا سبب پوچھا گیا۔ ان مقتدر ہستیوں نے ہمیشہ اعوان و انصاران کی کمی و قلت کو سبب گردان کر عدم قیام پر استدلال کیا اور قیام نہ کرنے کی وجہ جانثاران و جانبازان کی کمی کو گردانا۔

جناب امیرؑ سے جب قیام و مبارزہ نہ کرنے کی وجہ دریافت کی گئی تو آپؑ نے فرمایا:

> "میں نے نگاہ دوڑائی تو مجھے اپنے اہلبیتؑ کے سوا نہ کوئی معاون نظر آیا اور نہ کوئی سینہ سپر دکھائی دیا تو میں نے انھیں موت کے منہ میں دینے سے بخل کیا۔" [۳۸]

اسی طرح امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کو اصحاب و انصاران کی کمی و قلت کا سبب بتایا۔ جناب امام محمد باقرؑ، جناب امام جعفر صادقؑ نے اسی بنا پر بنی امیہ کی رُو بہ زوال حکومت کے خلاف قیام نہ فرمایا اور اسی طرح دیگر ائمہ کرامؑ نے بھی قلتِ انصاران و اصحاب کی بنا پر قیام نہ فرمایا۔

چنانچہ اگر امام حسینؑ کے قیام کے سیاسی پہلو کی طرف دیکھا جائے تو یہ قیام قلتِ انصاران و جانبازان کی بنا پر دیگر ائمہ کرام کے طرزِ عمل سے مختلف و متضاد نظر آتا ہے۔

جواب

قیام سیاسی مکمل و مطلقاً انصار و اعوان کی ایک واضح جمعیت کا محتاج نہیں ہوتا۔ درحقیقت کسی بھی قیام سیاسی کے دو مراحل ہوتے ہیں۔

(۱) —— مرحلۂ حصول قوت و قدرت

(۲) —— مرحلۂ مبارزہ و جنگ مسلحانہ

جہاں تک مرحلۂ حصول قدرت و قوت کا تعلق ہے اس مرحلہ کے لیے اعوان و انصار کی اکثریت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ کسی سیاسی قیام کو مرحلہ مبارزہ و جنگ میں داخل کرنے کے لیے اعوان و انصار کی شرط ایک لازمی و اساسی شرط ہے۔ کیونکہ اعوان و انصار کے بغیر اس مرحلہ میں کامیابی ناممکن ہے۔

تاریخ اقوام عالم گواہ ہے کہ تمام تر با تدبیر قائدین سیاسی پہلے اپنے پیغام و پروگرام کو امت کے سامنے نشر کرتے ہیں اور جب ان کے پیغام سے متاثر ہو کر افراد کی ایک بڑی تعداد ان کے گرد جمع ہو جاتی ہے تو وہ عملی طور پر ایک قیام مسلحانہ کا آغاز کرتے ہیں۔ قیام امام حسینؑ کی نوعیت بھی اس سے مختلف نہیں۔

مدینہ و مکہ میں اعوان و انصار کی کمی ہی کی بنا پر آپؑ نے حتی الامکان تصادم و مبارزہ سے گریز فرمایا۔ مکہ تشریف لانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ ملتِ اسلامیہ کے گوشہ و کنارے سے آنے والے مسلمانوں کو اپنے پیغام سے آشنا کردیں اور انھیں اپنی نصرت و مدد کے لیے آمادہ کریں۔

مکہ سے آپؑ کے خروج کا سبب بھی یہی تھا کہ ایک تو مکہ میں انصار و اعوان نہ تھے دوسرے کوفہ کی جانب سے جناب مسلم بن عقیلؑ کی تائید و تصدیق کے مطابق ۱۲۰۰۰ جنگجو، مسلح افراد امامؑ کی نصرت و حمایت کے لیے آمادہ ہو چکے تھے۔

اسی طرح جب کوفہ والوں نے غداری و بے وفائی کا ثبوت دیا تو آپؑ نے اس مقام پر بھی مبارزہ سے گریز کیا اور واپسی کا سفر اختیار کرنے کی کوشش فرمائی۔

ہم قیامِ حسینؑ کے ہر ہر مرحلہ پر یہ دیکھتے ہیں کہ امامؑ حتی الامکان جنگ و جدال اور تصادم سے گریز فرما رہے ہیں۔ میدانِ کربلا میں جب انصار و اعوان کی آمد کا سلسلہ بھی بند ہو جاتا ہے اور امن و امان کی تمام تر تجاویز بھی مسترد کر دی جاتی ہیں تو وقوع پذیر ہونے والا خونیں حادثہ لشکرِ عمر سعد کی جانب سے امام پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔ ورنہ حسینؑ اور ان کے اصحاب تو آخری وقت تک لشکرِ عمر سعد سے خطاب کر کے یہ فرماتے رہے کہ ہمیں کس جرم میں شہید کیا جا رہا ہے۔ کیا ہم نے شریعت و سنت میں کوئی تحریف و تبدیلی کی ہے۔

امام حسینؑ نے خود ارشاد فرمایا:

"لوگو ___! اگر تمھیں مجھ سے نفرت ہے تو مجھے اپنے وطن واپس جانے دو۔"

چنانچہ امام حسینؑ کا قیام بھی ابتدائی مراحل میں حصولِ قوت و قدرت کے لیے تھا اور یہی وجہ تھی کہ امامؑ نے مکہ کا سفر اختیار کیا اور اسی لیے

بصرہ والوں کو بھی خط تحریر فرمایا۔ ان سے نصرت طلب کی۔

لہٰذا یہ کہنا کہ امام حسین علیہ السلام کا قیام اس لیے سیاسی نہ تھا کیونکہ آپؑ کے پاس اعوان و انصار نہ تھے ہمارے نزدیک ایسی فکر سیرت امامؑ پر غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔

تیسرا اعتراض

معترضین کے بقول اگر امام حسینؑ کا قیام ایک سیاسی نہج و اسلوب کا حامل تھا تو پھر آپؑ کا خواتین اور بچوں کو ہمراہ لے جانا غیر معقول لگتا ہے۔ چنانچہ امام حسینؑ کا اہل بیت حتیٰ کہ شیر خوار بچوں کا ہمراہ کربلا تک لے جانا دلیل ہے اس امر پر کہ آپؑ کا قیام ایک سیاسی قیام نہ تھا۔

کیونکہ اگر آپؑ کا مقصد یہ ہوتا کہ آپؑ کوفہ جا کر ایک سیاسی انقلاب برپا کریں تو ایسی صورت میں آپ خواتین و بچوں کو ہمراہ نہ لے جاتے۔

خود جناب ابن عباسؓ و محمد حنفیہؒ جیسی مقتدر ہستیوں نے امامؑ کو اس امر سے روکنا چاہا۔ فیلسوف مشرق علامہ اقبال فرماتے ہیں: ؎

مدعایش سلطنت بودے اگر
خود نہ کردے باچنین سامان سفر

"ترجمہ: اگر مدعا حسینؑ سلطنت تھا تو آپؑ ایسے سامان
کے ساتھ سفر اختیار نہ کرتے۔"

جواب

ہمارے نزدیک امام حسینؑ کا اہل بیت کو ساتھ لے جانا آپؑ کے سیاسی مقاصد سے کسی قسم کا تعرض و تصادم نہ رکھتا تھا بلکہ یہ بھی امام حسینؑ کے سیاسی پروگرام کا ایک بے حد اہم و ناگزیر حصہ تھا۔ امام حسینؑ کا اہل بیتؑ کو اپنے ہمراہ لے جانا مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر تھا:

نمبر ۱: خود اہل بیتؑ اور خانوادۂ رسولؐ سے تعلق رکھنے والے افراد امام حسینؑ کا ساتھ چھوڑنے پر کسی قیمت میں تیار نہ تھے۔ چنانچہ جب ابن عباس جناب امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خواتین اور بچوں کو سفر پر نہ لے جانے پر اصرار کیا تو عقیلۂ قریش جناب زینب سلام اللہ علیہا نے فوراً جناب ابن عباس کو مخاطب کر کے فرمایا:

"یا ابن عم۔ اے ابن عباس۔ کیا تم ہمارے بزرگ و آقا
کو یہ مشورہ دیتے ہو کہ ہمیں تنہا چھوڑ دیں اور خود چلے جائیں
کیا اس زمانے میں ان کے علاوہ ہمارا کوئی اور ہے ـــــ
خدا کی قسم ہم انھیں کے ساتھ جئیں گے اور انھیں کے ساتھ
مریں گے۔"

نمبر ۲: اگر خانوادۂ رسولؐ کی باعظمت خواتین اور خصوصاً جناب زینب سلام اللہ علیہا اس معرکۂ خونیں میں امام حسینؑ کے ساتھ نہ ہوتیں تو جناب علی بن حسینؑ

کو شہید کردیا جاتا اور حجتِ خدا اس دنیا میں قائم و محفوظ نہ رہ پاتی۔ عصر عاشور شہادتِ جناب امام حسینؑ کے بعد یزیدیوں نے خیامِ حسینیؑ پر یورش کی اور چاہا کہ جناب سجادؑ کو شہید کردیں مگر جناب زینبؑ آڑے آئیں اور اپنے آپؑ کو بیمار بھتیجے پر گرا لیا تاکہ ان کو کوئی گزند نہ پہنچ سکے چنانچہ اسی طرح دربار زیاد و دربار یزیدؑ میں بھی جب جلادوں کو یہ حکم ہوا کہ جناب سجادؑ کو شہید کردیں تو جناب زینبؑ و دیگر خواتین ان جلادوں کے مزاحم ہوئیں اور اس طور شمع امامت کی حفاظت فرمائی۔

نمبر ۳: مطالبۂ بیعت سے لے کر کربلا کے میدانِ خونیں تک اوّل روز ہی سے یہ بات واضح و روشن نظر آرہی تھی اور امامؑ نے اپنے ارشادات میں بھی اس کا صریحاً اظہار فرمایا کہ آپؑ شہید کردیے جائیں گے۔ چنانچہ اگر امام حسینؑ اہلبیتِ حرم کو ہمراہ نہ لے جاتے تو مقصدِ حسینؑ کو مقتلِ کربلا میں خود امام حسینؑ کے ہمراہ دفن کردیا جاتا اور غلط و بے بنیاد پروپیگنڈے کے ذریعے اس حیات آفرین واقعہ کی اصلی شکل مسخ کردی جاتی اور رہتی دنیا تک کوئی بھی امام حسینؑ کے اصلی و واقعی اہداف و مقاصد سے آشنائی و آگاہی حاصل نہ کرپاتا۔ چنانچہ مدینہ سے روانگی کے وقت آپؑ نے اپنے اس خدشہ کا اظہار بھی فرمایا اور مکہ سے روانگی کے وقت بھی اس جانب اشارہ فرمایا۔

تاریخ شاہد ہے کہ بنی امیہ نے آپ کی شہادت کو غلط رنگ دینے کی ہر ممکن کوشش کی کبھی اسے خوارج کی بغاوت سے تعبیر کیا تو کبھی بے بنیاد پروپیگنڈے کیے گئے مگر ان کی یہ تمامتر کاوشیں اور کوششیں اس وقت خاک میں مل گئیں جب اسیرانِ کربلا کے لٹے پٹے قافلے کوفہ و شام کے بازاروں میں وارد ہوئے

اگر یہ اہلبیتؑ نہ ہوتے تو حقیقت کے چہرہ سے نقاب کس طرح اٹھتی۔ کون ہوتا جو بنی امیہ کے ان بے بنیاد پروپیگنڈوں کا توڑ کرتا اور قیام حسینیؑ کی اصل حقیقت کو عوام کے سامنے پیش کرتا چنانچہ اسی لیے امام حسینؑ نے ابن عباس کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ:

"خدا کی مشیت ہے کہ یہ (اہل بیتؑ) اسیر ہوں۔"[۲۹]

نمبر۴:۔ جب بھی کوئی مدبر و باتدبیر قائد و رہبر کوئی بڑا اقدام کرتا ہے تو وہ اس سے پیشتر کہ اپنے پروگرام کو عمل کرے اور اپنی تحریک کا اجراء کرے۔ اس پروگرام کے متعلق تمام تر پیش بینیاں کرتا ہے اس راہ میں پیش آنے والے ممکنہ خطرات سے نمٹنے کے لیے کچھ احتیاطی تدابیر اپناتا ہے تاکہ تحریک کے کسی بھی مرحلہ پر حزب مخالف اور دشمن کو یہ موقع نہ مل سکے کہ وہ اس تحریک کا رخ اپنی طرف موڑے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔ کسی بھی معاشرے اور نظام کے لیے ایک باتدبیر مدبر اور لائق قائد کی ضرورت، قائد و رہبر کی اسی خوبی کی بنا پر ہے۔

امام حسینؑ جو ایک باتدبیر قائد ہیں، اپنی تحریک کے آغاز سے ہی اپنی دوربین نگاہوں سے دشمن کی ہر ہر حرکات کا جائزہ لے رہے تھے۔ اگر آپؑ اہلبیتؑ کو مدینہ ہی میں چھوڑ دیتے اور حکومت کے خلاف مہم چلاتے تو عین ممکن تھا کہ یزید آپؑ کے اہلبیت کو اسیر کر کے شامی زندانوں میں قید کر دیتا اور پھر امام حسینؑ کو مجبور کرتا کہ وہ اپنی تحریک سے باز آئیں اور اس کی بیعت پر مجبور ہو جائیں۔

شامی حکومت نے اس قسم کے اوچھے ہتھکنڈے بارہا استعمال کیے تاکہ مخالفین کی مخالفت کو ختم کیا جا سکے۔ چنانچہ جب عمرو بن حمقؓ، ابن زیاد کے ظلم و ستم سے

عاجز آکر روپوشش ہو گئے تو آپ کی زوجہ کو گرفتار کر کے شام کے زندانوں میں قید کر دیا گیا۔

اسی طرح جناب مختار ابن ابو عبیدہ ثقفی کی زوجہ کے ساتھ ہوا۔ ایسے حالات میں اگر امام حسینؑ اپنے اہل وعیال کو مدینہ یا مکہ چھوڑ دیتے تو قوی امکان تھا کہ آپؑ کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے کے لیے حکومت شام ایسے ہی ہتھکنڈے استعمال کرتی جس کے نتیجہ میں آپ کے لیے تحریک کا جاری رکھنا بہت مشکل ہو جاتا۔ چنانچہ جب ابن عباس نے اہل بیت کے بارے میں امامؑ سے گفتگو کی تو امامؑ نے جواب میں فرمایا :

"یہ پیغمبرؐ کی امانتیں ہیں۔ ان کے بارے میں مجھے کسی پر اعتماد نہیں ہے"۔

اعتماد سے یقیناً مراد ایک ایسا معتمد ہے جو کہ حکومت کے خطرہ سے محفوظ رکھ سکے کیونکہ بظاہر محترم محمد بن حنفیہ اور عبداللہ بن جعفر طیار مدینہ میں موجود تھے۔

چوتھا اعتراض

تفسیر سیاسی پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ امام حسینؑ کا اپنے ہم عصر مفکرین صحابہ کی رائے پر عمل نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپؑ کا قیام سیاسی نہ تھا۔ ان افراد نے آپؑ کو سفر کوفہ سے روکنے کی حتی الامکان کوشش کی اور اپنے موقف کی دلیل میں کوفہ والوں کی روایتی بے وفائی و غداری کو بنیاد بنا کر امامؑ کے سامنے پیش کیا۔

یہ کہنا بھی غلط ہوگا کہ یہ افراد امامؑ سے مخلص نہ تھے بلکہ ان افراد میں ایسی بھی شخصیات تھیں جن کے اخلاص کی امامؑ نے خود تائید فرمائی۔

اگر امامؑ کے قیام کو ایک قیام سیاسی مان لیا جائے تو نعوذ باللہ یہ افراد امامؑ سے زیادہ دور بینش اور حالات سے زیادہ واقف و آگاہ تھے کیونکہ تاریخ نے بھی ان کے مشوروں اور رائے کو بعد میں صحیح ثابت کر دکھایا۔

اسی طرح قیام حسینیؑ کی سیاسی تفسیر اس لیے بھی غلط ہے کہ امامؑ نے ان لوگوں کے

سوالوں کے جواب میں کبھی بھی یہ نہ فرمایا کہ مجھے تو ہر حال میں یزید کو منصبِ خلافت سے ہٹانا ہے تاکہ اس منصب کو واپس لے سکوں بلکہ ان کے سوالوں کے جواب میں آپؑ نے ہمیشہ یہ فرمایا کہ یہ لوگ مجھے شہید کر دیں گے اور مجھے شہید کرنے والوں پر خدا ایسے لوگ مسلط کر دے گا جو انھیں ذلیل و رسوا کر دیں گے۔

اس موقف کی دلیل میں ان مشاورین و مفکرین کی آرا اور ان کو امامؑ کے جوابات پیش کیے جاسکتے ہیں۔ ذیل میں ایسے ہی مکالمات کی تفاصیل بیان کی گئی ہیں۔

نمبر ۱: عبداللہ بن عمر، فرزند خلیفۂ ثانی کو جب امام حسینؑ کے سفر کی اطلاع ملی تو امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام حسینؑ کو حاکمِ وقت سے مصالحت کا مشورہ دیا اور قتل و غارت گری کے انجام سے متنبہ کیا۔

عبداللہ بن عمر کی اس تجویز و مشورہ پر امام حسینؑ نے فرمایا:

"اے ابا عبدالرحمٰن (عبداللہ بن عمر) کیا اس دنیا کی ذلت کے لیے یہ کافی نہیں کہ سرِ مقدس یحییٰ بن زکریاؑ کو تحفہ کے طور پر بنی اسرائیل کی ایک باغی عورت کو پیش کیا گیا۔ کیا تو نے نہیں سنا کہ بنی اسرائیل نے طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک ۷۰ انبیاء کو قتل کیا اور پھر کاروبارِ دنیا میں یوں مصروف ہو گئے کہ گویا انھوں نے کوئی جرم ہی نہ کیا ہو لیکن خدا نے پھر بھی ان پر عذاب میں تعجیل نہ کی۔ مگر بعد میں ان سے سخت دردناک انتقام لیا۔

خدا سے ڈرو اے ابا عبدالرحمٰن ——— میری نصرت سے گریز نہ کرو۔" ۲۰ے

نمبر ۲: عبداللہ بن زبیر کو جب امام حسینؑ کے کوفہ کے ارادہ و قصد سے آگاہی ہوئی تو امامؑ کے پاس آکر آپؑ کو منع کیا۔ عبداللہ ابن زبیر کے بیان کے بعد جناب امام حسینؑ نے فرمایا:

"میرے باپ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ مکہ میں ایک گوسفند (مینڈھا) ہے جو اس خانۂ خدا کی بے حرمتی کا سبب بنے گا میں نہیں چاہتا کہ وہ گوسفند میں ہوں۔ اگر میں اس خانۂ خدا سے ایک بالشت باہر قتل ہو جاؤں تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس میں قتل ہوں۔

خدا کی قسم اگر میں حشرات الارض کے بلوں میں بھی جا چھپوں تو یہ لوگ مجھے وہاں سے بھی نکال لیں گے اور میرے حق میں اپنے عزائم کو پورا کریں گے۔ واللہ یہ لوگ اس طریقہ سے میرے اوپر زیادتی و تجاوز کریں گے جس طرح یہود نے ہفتہ کے روز حرمات خدا کو ضائع کیا۔" [۱۴]

عبداللہ ابن زبیر جب مجلس امامؑ سے رخصت ہو گیا تو امامؑ نے حاضرین مجلس کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا:

"اس کے نزدیک اس دنیا میں کوئی شے اس سے زیادہ محبوب تر نہیں کہ میں حجاز سے نکل جاؤں کیونکہ اسے معلوم ہے کہ لوگ مجھے چھوڑ کر اس کی طرف نہ جائیں گے چنانچہ یہ دوست رکھتا ہے اس کو کہ میں یہاں سے چلا جاؤں تاکہ ماحول اس کے لیے سازگار ہو۔"

نمبر ۳: جناب محمد بن حنفیہؒ، فرزند امیر المومنینؑ، امام حسینؑ کی کوفہ روانگی سے ایک

رات قبل خدمتِ امامؑ میں حاضر ہوئے اور امامؑ سے عرض کی:

"آپؑ جانتے ہیں کہ اہلِ کوفہ نے آپؑ کے والد و بھائی کے ساتھ غداری کی۔ مجھے ڈر ہے کہ آپؑ کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوگا جو ان کے ساتھ ہوا۔ آپ یہاں (مکہ) ہی قیام فرمائیں۔ آپؑ خانہ خدا میں سب سے زیادہ آبرومند و باعظمت شخصیت ہیں آپؑ یہاں محفوظ رہیں گے۔"

اس پر امام حسینؑ نے جواب دیا:

"مجھے ڈر ہے کہ یزید بن معاویہ مجھے حرم میں قتل کروا دے گا اور میری وجہ سے خانہ خدا کی بے حرمتی ہوگی۔"

جناب محمد بن حنفیہ نے جواب دیا:

"اگر ایسا ہے تو آپؑ یمن چلے جائیں یا کسی اور جگہ۔"

اس پر امام حسینؑ نے جناب محمد بن حنفیہ کی تجویز پر غور کرنے کا وعدہ فرمایا اور تسلی دی۔

سحر کے وقت امام حسینؑ نے سفر کی تیاریوں کا آغاز کیا اور مکہ سے نکلنے کا قصد فرمایا۔ جناب محمد بن حنفیہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپؒ فوراً تشریف لائے اور زمام ناقہ کو تھام کر امام حسینؑ سے پوچھا:

"کیا آپؑ نے میرے سوال پر غور کرنے کا وعدہ نہ فرمایا تھا؟"

آپؑ نے فرمایا:

"یقیناً۔ مگر آپ سے جدا ہونے کے بعد رسول اللہؐ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ حسینؑ یہاں سے نکل جاؤ۔ مشیتِ خدا ہے کہ آپؑ قتل ہو جائیں۔"

اس پر محمد بن حنفیہ نے آیۂ رجعت تلاوت فرمائی اور گویا ہوئے:

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ـــــــ اگر ایسا ہے تو بچوں کو ساتھ لے جانے کی وجہ کیا ہے؟"

آپؑ نے فرمایا:

"یہ خدا ہی کی مشیت ہے کہ یہ لوگ اسیر ہوں۔"

نمبر ۴: عبداللہ بن جعفر طیار کو جیسے ہی امام حسینؑ کے سفر کی خبر ملی۔ آپ نے ایک مکتوب تحریر فرمایا اور اپنے بیٹوں جناب عون و محمد کے ہاتھ امام کی خدمت میں ارسال کیا۔ اس مکتوب کا متن یوں تھا:

"حمد و ثنا کے بعد ـــــــ میں آپؑ کو خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ جیسے ہی میرا خط پڑھیں واپسی کا سفر اختیار کریں۔ مجھے ڈر ہے کہ خدانخواستہ آپؑ کہیں قتل نہ کر دیے جائیں اور اہلِ بیت اسیر ہوں ـــــــ اگر آپؑ شہید کر دیے گئے تو زمین کا نور ختم ہو جائے گا ـــــــ آپؑ مقتدین کے لیے منارۂ نور ہیں۔ مومنین کے لیے امید و سہارا ہیں، اپنے سفر میں جلدی نہ کریں میں جلد آپؑ کے پاس پہنچنے والا ہوں۔"

اس خط کو تحریر کرنے کے بعد جناب عبداللہ ابن جعفر طیار نے والیٔ مکہ عمر بن سعید بن عاص سے امام حسینؑ کے نام ایک امان نامہ حاصل کیا اور والیٔ مکہ کے بھائی یحییٰ بن سعید کے ہمراہ خدمتِ امامؑ میں حاضر ہوئے اور کوشش کی کہ امامؑ کو سفر سے باز رکھیں۔ جب ان دو حضرات کا اصرار بے حد بڑھ گیا تو امام حسینؑ نے فرمایا:

"میں نے رسولِ خداؐ کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ نے مجھے ایک امر کیا اور اب میں اس امر کو پورا کر کے رہوں گا۔"

عبداللہ بن جعفر نے جب اس خواب کی تفاصیل دریافت کیں تو امام حسینؑ نے جواب میں فرمایا:

"میں نے یہ خواب کسی کو نہیں بتایا اور نہ کسی کو بتاؤں گا حتیٰ کہ لقاء اللہ تک پہنچ جاؤں۔"

نمبر ۵ : ایک بافضیلت و بامنزلت گرامی قدر شخصیت جناب عبداللہ بن عباس فرزند عباس بن عبدالمطلب کی ہے۔ آپ نے بھی امام حسینؑ کو سفر کوفہ سے باز رکھنے کے لیے امامؑ کے حضور اپنے استدلال پیش کیے اور فرمایا:

"اے ابنِ عم ــــــ میرے لیے ممکن نہیں کہ میں صبر کروں میں آپؑ کو خطرہ میں دیکھ کر خوف کھاتا ہوں کیونکہ اہلِ عراق غدار ہیں۔ آپؑ ان سے نزدیک نہ ہوں۔ آپؑ یہاں ہی تشریف رکھیں۔ آپؑ سردار اہلِ حجاز ہیں۔ اگر اہلِ عراق اپنے گمان میں سچے ہیں تو پہلے وہ اپنے گورنر کو نکال باہر کریں اور پھر آپؑ تشریف لے جائیں۔

اور اگر آپؑ یہاں سے سفر کرنے کا ارادہ کر ہی چکے ہیں تو یمن تشریف لے جائیں۔ وہاں محکم قلعے ہیں وادیاں ہیں اور طویل و عریض سرزمین ہے۔ اور آپ کے والد کے شیعہ کثیر تعداد میں ہیں۔ آپؑ وہاں بیٹھ کر لوگوں کو دعوت دیں مبلغین روانہ کریں۔ اس کے بعد یقیناً آپ بعافیت اپنے

مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

اس پر آپؑ نے جواب دیا:

"اے ابن عم —— قسم بخدا آپ مجھ پر بے حد مہربان و مشفق ہیں اور لطف و کرم کا سلوک روا رکھتے ہیں —— میں سفر کی تیاری کر چکا ہوں۔"

ابن عباس نے یہ سن کر کہا:

"اگر آپؑ جانے کا ارادہ کر ہی چکے ہیں تو ان خواتین اور بچوں کو ہمراہ نہ لے جائیں۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ شہید کیے جائیں گے اور یہ دیکھتے ہوں گے۔"

اس کے جواب میں آپؑ نے فرمایا:

"یہ لوگ جو میرا خون بہانے پر تلے ہوئے ہیں۔ خدا جلد ان کا خون بہانے والوں کو ان پر مسلّط کرے گا۔"

خاندان اہل بیت کی خواتین و بچوں کے بارے میں آپؑ نے فرمایا:

"....... یہ لوگ مجھے چھوڑنے پر راضی نہیں۔"

نمبر ۶: قافلۂ حسینیؑ کوفہ کے راستے میں منزلِ حاجر سے چند کوس آگے پہنچا تھا کہ جناب عبداللہ بن مطیع عدوی امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے امامؑ سے شرف ملاقات حاصل کیا اور کہا:

"خدا کی قسم —— حرمتِ اسلام، حرمتِ قریش اور حرمتِ عرب کی قسم —— جو کچھ بنی امیہ کے ہاتھ میں ہے اگر آپؑ اس کا مطالبہ کریں گے تو وہ آپؑ کو قتل کر دیں گے

اور پھر آپؑ کے قتل کے بعد کسی اور کو قتل کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کریں گے۔" ۴۲

امامؑ نے ابن مطیع کا یہ بیان سنا مگر اپنے سفر کو جاری رکھا۔

نمبر ۷: امام حسینؑ اپنے قافلہ کے ہمراہ جب ساتویں منزل "منزل بطن عقبہ" پر پہنچے تو شیخ بنی عکرمہ عمر بن لوذان آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؑ کی منزل دریافت کی جب شیخ بنی عکرمہ کو یہ معلوم ہوا کہ آپ عازم کوفہ ہیں تو انھوں نے شدید لہجہ میں امامؑ سے اصرار کیا کہ آپؑ کوفہ نہ جائیں کیونکہ وہاں جانے کی صورت میں آپؑ کا استقبال تلواروں اور نیزوں سے کیا جائے گا۔

آپؑ نے عمر بن لوذان کی گفتگو سننے کے بعد فرمایا کہ:

"اے عمر! جو کچھ تو نے کہا مجھ سے پوشیدہ نہیں مگر یہ کہ خدا کے ارادے و مشیت پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔"

آپؑ نے مزید فرمایا:

"خدا کی قسم یہ لوگ مجھے نہ چھوڑیں گے اور میرا خون بہا کر ہی رہیں گے اور پھر خدا ان کو ذلیل و رسوا کرنے والے ان پر مسلط کردے گا۔" ۴۳

نمبر ۸: کوفہ کے راستہ میں منزل رہیمیہ پر ایک شخص ابوہرم، امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؑ سے سوال کیا۔

"اے ابن رسول اللہ! کس شے نے آپؑ کو حرم جد سے نکلنے پر مجبور کیا؟"

آپؑ نے جواب میں فرمایا:

"اے ابا ہرم! بنی امیہ نے میری ناموس کے حق میں سب وشتم کیا۔ میں نے صبر کیا۔ میرے مال کو غصب کیا۔ میرے خون کے طالب ہوئے میں نے ان سے اجتناب کیا۔ خدا کی قسم یہ لوگ مجھے قتل کر کے رہیں گے مگر اس وقت ان پر ذلت چھا جائے گی۔ ایک تیز دھار کاٹنے والی تلوار ان کے سروں پر معلق ہو گی۔ ان کو ذلیل و رسوا کرنے والے افراد ان پر مسلط ہو جائیں گے یہاں تک کہ یہ قوم صبا سے بھی زیادہ بدتر و ابتر ہوں گے جہاں پر ایک عورت ان کے جان و مال پر حکومت کرتی تھی۔" ۳۴؎

نمبر۹: کوفہ سے آنے والے چار صحابی منزل عذیب پر قافلہ حسینیؑ سے جا ملے۔ ان میں ایک نافع بن ہلال، عمر بن خالد صیداوی ان کے غلام سعد مجمع بن عبداللہ المرجی اور ان کے راہنما طرماح بن عدی الطائی تھے۔ یہ لوگ امام حسینؑ سے ملے اور آپ کی مدح میں ایک شعر پڑھا جس پر امامؑ نے فرمایا:

"خدا کی قسم ہم ارادۂ خدا سے باخبر ہیں کہ ہم قتل ہو جائیں یا کامیاب ہوں۔"

اس کے بعد امام حسینؑ نے ان سے کوفہ کے حالات دریافت کیے۔ جس پر انھوں نے جواب دیا:

"اشرافت در ؤسا قبیلہ کو بیش قدر و بے حد و حساب رشوت دی گئی ہے۔ لوگوں کے دل آپؑ کی طرف ہیں اور تلواریں آپؑ کے خلاف۔" ۳۵؎

اس کے بعد ان اصحاب نے قیس بن مسہر صیداوی اسدی کی شہادت کی خبر امام ؑ کے گوش گزار کی۔ جس پر امام حسین ؑ نے آیۂ کریمہ کی تلاوت فرمائی:

"بعض گزر گئے اور بعض انتظار کر رہے ہیں۔"

القرآن: الاحزاب ۲۳

پھر ارشاد فرمایا:

"خدا ہمارے اور ان کے لیے جنت نصیب کرے اور اپنی جنت کی قرارگاہ میں جگہ مرحمت فرمائے۔"

اس کے بعد طرماح نے کہا:

"میں نے آتے وقت کوفہ کے دروازے پر مسلح افراد کا اجتماع دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟ تو انھوں نے بتایا کہ ہم حسین ؑ سے لڑنے کے لیے روانہ ہونے والے ہیں۔ بخدا آپ اس طرف نہ جائیں۔ میں آپ ؑ کے ساتھ اتنے لوگ نہیں دیکھتا جو اُن سے لڑ کر غلبہ حاصل کر سکیں۔"

نمبر ۱۰: اسی طرح ایک شخص عمر بن عبدالرحمٰن مخزومی ہیں۔ انھوں نے بھی امام ؑ کو سفرِ کوفہ سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

چنانچہ ان تمام افراد کی گفتگو اور امام ؑ کے جوابات اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ یزید کے خلاف قیام کرتے وقت امام حسین ؑ کوئی سیاسی مطمعِ نظر نہ رکھتے تھے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ ؑ ان مشاورین کی آرا پر ضرور عمل فرماتے جو حقیقت پر مبنی تھیں اور تاریخ نے ایسا ثابت بھی کیا۔

جواب :

ہمارا موقف ان شخصیات کے بارے میں ایسا ہی ہے کہ جیسا ان اعتراض کرنے والے افراد کا ہے۔ یقیناً ان شخصیات میں بے حد مخلص و مشفق ہستیاں بھی شامل ہیں اور ان کی آرار بھی ان کی اطلاعات و سیاسی تدبر پہ دلالت کرتی ہیں۔ کوفہ کے حالات کے بارے میں ان کا موقف درست اور صحیح تھا۔ مگر ان کی اور امام ؑ کی بیان کردہ گفتگو کسی طور بھی یہ ثابت نہیں کرتی کہ امام ؑ کا مطمع نظر سیاسی نہ تھا۔

ذیل میں اس موقف کی رد میں چند دلائل پیش خدمت ہیں :

(۱) ان افراد کا امام ؑ کو سفر کوفہ سے روکنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ افراد سمجھ رہے تھے کہ امام ؑ ایک سیاسی قیام و نہضت فرما رہے ہیں۔ لہٰذا انھوں نے امام حسین ؑ سے اپنے خیالات کا اظہار کیا کہ جس مقصد کے لیے آپ تشریف لے جا رہے ہیں اس میں کامیاب نہیں ہوں گے اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ اہل کوفہ آپ ؑ کا ساتھ نہیں دیں گے۔

یہ شخصیات امام حسین ؑ کی تمام نقل و حرکت اور نشست و برخاست سے آگاہ تھیں۔ ایسا نہیں کہ اندازہ لگا رہے ہوں۔ جب آپ ؑ مکہ تشریف لائے تو آپ عباس بن عبد المطلب کے گھر میں قیام پذیر ہوئے۔ عبداللہ بن مطیع آپ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے اسی طرح تاریخ بتاتی ہے کہ ابن زبیر صبح و شام آپ کی مجلس میں ہوتے۔ آپ کا قریب سے مشاہدہ کرتے۔ چنانچہ ان شخصیات کا مشورہ سیاسی حالات کے مطابق تھا اور وہ امام ؑ کے قیام کو

بھی سیاسی سمجھتے تھے۔ یہ دلیل ہے کہ امام کا قیام ایک سیاسی اسلوب کا حامل تھا۔

② ◁ امامؑ نے کبھی بھی ان مشاورین کی رائے کو رد کرتے ہوئے یہ نہ فرمایا کہ جو کچھ تم سمجھ رہے ہو وہ غلط ہے یا تم لوگ میرے مقصد ہی سے ناواقف ہو۔ جیسا کہ ثابت ہے کہ یہ افراد امامؑ کو سیاسی مشورے دے رہے تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ امامؑ کا انقلاب ایک سیاسی انقلاب ہے اس کے باوجود امامؑ کا ان کو یہ جواب نہ دینا کہ تم لوگ میرے قیام کے مقصد ہی کو غلط سمجھ رہے ہو اس موقف پر ایک محکم دلیل ہے کہ امامؑ کا قیام ایک نہضت سیاسی تھی۔

③ ◁ یہ درست ہے کہ امامؑ نے سوال کرنے والوں کو یہ جوابات دیے کہ میں قتل کر دیا جاؤں گا یا یہ کہ اگر میں نہ بھی نکلوں تو مجھے شہید کر دیا جائے گا مگر امام حسینؑ نے جہاں شہادت کی خبر دی وہاں ان مشاورین و افراد کے سامنے جب اپنے اس قیام کے بارے میں استدلال فرمایا تو اہل کوفہ کی دعوت کو دلیل کے طور پر پیش کیا جو ایک استدلال سیاسی تھا۔

④ ◁ درست ہے کہ امامؑ نے کئی مقامات پر خبر شہادت دی۔ مگر کئی مقامات پر آپؑ نے شہادت و حصولِ منصب ولایت کے درمیان مشروط کلمات بھی ارشاد فرمائے ہیں۔

مثلاً یہ کہ:

"اگر میری بات پوری ہوئی تو خدا کا شکر وگرنہ میں اس بلا پر صبر کروں گا۔"

جیسا کہ محمد بن حنفیہؓ کو وصیت نامہ میں تحریر فرمایا۔
یا فرزدق کے سوال کے جواب میں فرمایا (دیکھیے صـ۱۴۳) اور
کبھی یہ تک فرمایا کہ:

"میں نے یہ بات نہ کسی کو بتائی ہے اور نہ
بتاؤں گا۔" (دیکھیے صـ۱۱۹)

چنانچہ ان تمامتر بیانات کی روشنی میں یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ سیاسی مشاورین کی آراء اور اس کے جواب میں آپؑ کے ارشاد قطعاً اس امر میں مانع نہیں کہ آپؑ کا قیام ایک سیاسی قیام تھا۔

تفسیرِ طلبِ شہادت

اس تفسیر کی رُو سے قیامِ حسینؑ کا اصل مقصد اور ہدف درجۂ شہادت کا حصول تھا۔ چونکہ درجۂ شہادت ایک ایسا بلند و بالا مقام اور مرتبہ ہے کہ اس سے آگے کوئی مقام و مرتبہ نہیں۔ جیسا کہ پیغمبرِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"ہر نیکی کے اوپر ایک نیکی ہے یہاں تک کہ انسان راہِ خدا میں شہید ہو جائے۔ اس سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔"

یا دوسری حدیث کہ:

"تمام خیر تلوار اور تلوار کے سائے میں ہے۔"

یا اسی طرح حضرت امیرؑ کا یہ فرمانِ گرامی کہ:

"بہترین موت قتل و شہادت ہے۔"

لہٰذا امام حسین علیہ السلام کی اپنی تمام تر کوشش یہ تھی کہ وہ اپنے مختصر

سے اعوان و انصار کو لے کر تیزی سے میدان کربلا میں پہنچیں تاکہ اپنے آپ اور اپنے عزیز و انصار کو شہادت کے لیے پیش کر کے اس درجۂ عظمیٰ پر فائز ہو سکیں۔ اور اس کے سوا امامؑ کوئی اور مقصد اور ہدف اپنے پیش نظر نہیں رکھتے تھے۔

قرائن و شواہدِ تاریخی کے علاوہ خود کلامِ حسینؑ اور مدینے سے لے کر کربلا پہنچنے تک آپؑ کے خطبے اور مختلف مقامات پر سوال و جواب اور مکالمے کی صورت میں آپؑ کا کلام اس نظریے کی تقویت کے لیے کافی واضح اور روشن دلیل ہے۔ اس کے چند شواہد یہ ہیں:

① جب امام حسین علیہ السلام کے مدینہ سے نکلنے کی خبر حضرت ام سلمیٰ تک پہنچی تو ام سلمیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپؑ مجھے اپنے عراق کی طرف قصدِ سفر سے محزون و غمگین نہ کیجیے کیونکہ بالتحقیق میں نے آپؑ کے جد بزرگوار سے سنا ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ عراق کے ایک قطعۂ زمین پر جس کا نام کربلا ہے شہید کیا جائے گا۔ اور میرے پاس اس جگہ کی مٹی ایک شیشے میں موجود ہے جو رسول اللہ نے مجھے دی تھی۔

امامؑ نے جواب میں فرمایا کہ اے مادر گرامی! میں جانتا ہوں کہ مجھے ظلم و دشمنی کے ساتھ شہید کیا جائے گا اور علمِ مشیت خدا میں ہے کہ میرے حرم اور اہل خانہ اور میرے بچے ہتھکڑیاں پہنیں گے اور اسیر کیے جائیں گے۔ وہ فریاد کریں گے اور کوئی ان کی مدد کے لیے نہیں پہنچے گا۔ ۲۲؎

چنانچہ حضرت ام سلمیٰ اور امام کے درمیان اس گفتگو سے واضح ہوتا ہے کہ امامؑ نے اپنی شہادت کی منزل کی طرف جانے کے

لیے مدینے سے یہ سفر اختیار فرمایا اور سفر کے آغاز ہی سے
شہادت کا حصول آپؑ کا مطمع نظر تھا۔

(۲) جب مدینے سے امام کے اس عزم سفر کی خبر عبداللہ ابن عمر
کو ملی تو عبداللہ ابن عمر نے آپؑ کو مشورہ دیا کہ آپؑ مدینے
ہی میں قیام کریں۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیے ص۱۱۵)
مگر جب عبداللہ ابن عمر نے امامؑ کے اس عزم سفر کو دیکھا تو اس
نے امامؑ سے عرض کیا کہ آپؑ اپنا گریبان کھول دیں جب امام
نے گریبان کھولا تو اس نے جہاں رسول اللہؐ بوسہ لیا کرتے
تھے وہاں تین مرتبہ بوسہ دیا اور رونے لگا۔ امامؑ نے عبداللہ
ابن عمر سے فرمایا کہ :

"اے ابا عبدالرحمٰن! خدا سے تقویٰ کرو اور میری
مدد و نصرت کو ترک نہ کرو" ۲۷ے

اس گفتگو سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امامؑ اپنی شہادت کو ایک
یقینی امر سمجھتے تھے اور اسی منزل کی طرف گامزن تھے۔

(۳) جب ابن زبیر نے آپؑ کو سفر عراق سے روکا اور مکہ میں قیام
کے لیے مشورہ دیا تو امامؑ نے فرمایا کہ :

"مکہ سے ایک بالشت باہر قتل ہونا مجھے اس
امر سے زیادہ پسند ہے کہ میں مکہ کے اندر
قتل کیا جاؤں۔ خدا کی قسم حشرات کے کسی
سوراخ میں بھی اگر میں چھپ جاؤں تو وہ مجھے
وہاں سے نکال لائیں گے اور قتل کر دیں گے" ۲۸ے

(تفصیلات کے لیے دیکھیے ص۱۱۶)

یہاں بھی امامؑ نے اپنی شہادت کو یقینی اور غیر متردد امر بتایا کہ
جس طرف بھی میں جا رہا ہوں اس طرف شہادت حتمی ہے۔

(۴) 
محمد بن حنفیہ نے آپ کو عراق کی طرف جانے سے روکا اور یمن
یا کسی اور دشت و بیابان میں سفر جاری رکھنے کا مشورہ دیا
امامؑ نے محمد بن حنفیہ کے مشورے پر غور اور تجدید نظر کرنے
کا وعدہ فرمایا۔ لیکن اسی دن کی صبح آپؑ عراق کے سفر کے
لیے آمادہ ہوئے۔ جب محمد بن حنفیہ نے یہ خبر سنی تو فوراً آکر
امامؑ کے ناقہ کی لجام پکڑ کر عرض کی کہ :

" کیا آپؑ نے میرے مشورے پر غور کرنے
کا وعدہ نہیں فرمایا تھا ؟ "

امامؑ نے جواب میں فرمایا :

" آپ سے جدا ہونے کے بعد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف لائے اور
فرمایا کہ اے حسینؑ ! تم یہاں سے نکل جاؤ
کیونکہ مشیت خداوندی یہ ہے کہ وہ تمھیں
قتل ہوتا ہوا دیکھے " ۹۴ے

(تفصیلات کے لیے دیکھیے ص ۱۱۶)

اس واقعہ سے بھی یہ بات واضح ہے کہ امام شہادت کیلیے
تشریف لے جارہے تھے۔

(۵) 
جب ابن عباس نے اس سفر کے بارے میں خبر سنی
تو اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ :

"اہلِ عراق ایک غدار قوم ہیں۔ آپؑ ان کے نزدیک نہ جائیں بلکہ اسی شہر حجاز میں رہیں کیونکہ آپؑ اہلِ حجاز کے سید اور آقا ہیں۔ اگر اہلِ عراق آپؑ کو چاہتے ہیں جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں تو ان کو چاہیئے کہ پہلے وہ اموی گورنر کو ہٹائیں۔ اس کے بعد آپ تشریف لے جائیں۔ ورنہ آپ یمن چلے جائیں۔ جہاں آپؑ کے والد بزرگوار کے شیعہ اور دوستدار موجود ہیں۔ وہاں سے آپؑ اپنے پیغام کے ذریعہ آسانی سے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دے سکتے ہیں۔"

امامؑ نے جواب میں فرمایا کہ:

"خدا کی قسم! یہ لوگ مجھے نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ میرا خون نہ بہا دیں۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو خداوند عالم ان پر ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو ان کو ذلیل و خوار کرے گا۔" ۳۵

(تفصیلات کے لیے دیکھیے ص ۱۱۹)

اس سے بھی یہ بات واضح ہے کہ امامؑ شہادت کے لیے آمادہ و تیار تھے۔

(۲)  جب امامؑ نے مکہ چھوڑنے کا قصد فرمایا تو سفر سے قبل آپؑ نے ایک خطبہ دیا۔ خطبہ کا آغاز حمد و ثناء پروردگار سے کیا پھر مشیت الٰہی پر بھروسہ کرتے ہوئے خداوند کریم سے حول و قوت کی طلب کے بعد رسول اکرم صلعم پر سلام بھیجا

اور فرمایا کہ :

"موت اولادِ آدم کے لیے اس طرح زینت ہے جس طرح کہ گلوبند ایک جوان لڑکی کے گلے کی زینت ہے۔ میں اپنے گزشتگان اور اسلافِ طاہرہ سے ملنے کا اس طرح سے شوق رکھتا ہوں جس طرح یعقوبؑ، یوسفؑ سے شوقِ ملاقات رکھتے تھے۔ خداوندِ عالم نے میرے مقتل کا انتخاب فرمایا ہے اور مجھے بہر حال وہاں پہنچنا ہے۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا جسم ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے گا۔ نواویس اور کربلا کے درمیان بسنے والے درندے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کریں گے اور وہ اپنے شکم کو میرے اعضاء سے پُر کریں گے۔ اس روزِ موعود سے فرار کی گنجائش نہیں۔ رضائے الٰہی ہم اہلبیتؑ کی رضا ہے۔ ہم اس کی بلا پر صبر کرتے ہیں۔ وہ ہمیں صابرین کا اجر عطا فرمائے گا۔"

اس کے بعد آپؑ نے فرمایا کہ :

"ہماری راہ میں اگر کوئی شخص خون کی قربانی دینا چاہتا ہے اور لقاء اللہ پر یقین رکھتا ہے تو ہمارے ساتھ نکل کھڑا ہو میں انشاء اللہ صبح کو نکل رہا ہوں۔" [۱]

یہ خطبہ بھی اسی طرف نشان دہی کرتا ہے کہ امام حسینؑ اپنی شہادت کو حتمی اور کربلا کو اپنی قربانگاہ سمجھتے تھے اور اسی منزل کے لیے آمادۂ سفر تھے۔

(۷)  ریاشی لکھتے ہیں کہ راوی نے مجھے بتایا کہ میں جب حج سے فارغ ہو کر کوفہ کی طرف منزلیں طے کرتا ہوا ایک جگہ پہنچا تو مجھے ایک خیمہ نظر آیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس کا خیمہ ہے تو کسی نے جواب دیا کہ یہ خیمہ حسینؑ بن علیؑ کا ہے۔ میں حسینؑ کے خیمے کی طرف گیا تو میں نے دیکھا کہ امامؑ بابِ خیمہ پر کوئی خط پڑھ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا:

"میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوں۔ مولا! آپؑ کو کس چیز نے مجبور کیا کہ اس بے آب و گیاہ میدان میں خیمہ زن ہوں؟"

آپؑ نے فرمایا:

"یہ اہلِ کوفہ کے خطوط ہیں جنھوں نے مجھے آنے کی دعوت دی اور یہی لوگ مجھے قتل کریں گے۔"[۵۲]

(۸)  جب آپؑ سرزمین کربلا پہنچے تو فرمایا:

"یہی وہ جگہ ہے جو میری وعدہ گاہ ہے۔ یہاں ہمارے خیمے نصب ہوں گے، یہاں ہمارے جوانوں کا خون بہایا جائے گا اور یہاں ہمارے اہلبیتؑ اسیر کیے جائیں گے۔"

اس کے بعد آپؑ نے اصحاب کو جمع کرکے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اصحاب کو صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے بعد دنیا کی بے وفائی اور بے ثباتی کی جانب توجہ دلائی اور فرمایا کہ:

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہوتا اور باطل سے
لوگ باز نہیں آتے۔ مومن کو چاہیے کہ وہ لقاء اللہ کی
تمنا کرے۔ میں موت کو جز سعادت کے کچھ نہیں سمجھتا
اور ظالمین کے ساتھ زندگی کو ہلاکت اور نابودی سمجھتا
ہوں۔" ۵۳

(۹) آپؑ نے کربلا سے ایک خط بنی ہاشم کو لکھا۔ اس میں آپؑ نے
تحریر فرمایا کہ:

"تم میں سے جو ہم سے آملیں گے وہ شہید ہو جائیں گے
اور جو ہم سے نہیں ملیں گے وہ فتح و کامیابی تک نہیں
پہنچیں گے۔" ۵۴

یہ ہیں وہ دلائل اور شواہد جن سے استدلال کیا جاتا ہے کہ امام حسینؑ عاشقِ شہادت تھے اور ذوق و شوق اور اطمینانِ قلبی کے ساتھ اپنی وعدہ گاہ اور قربان گاہ کی طرف رواں دواں تھے۔

ذیل میں ہم ایسے ہی دلائل و شواہد پیش کر رہے ہیں جو اس نظریہ کی رد میں بیان کیے جاتے ہیں۔

تفسیرِ طلبِ شہادت پر اعتراضات

(۱) خونریزی سے اجتناب

تاریخِ اسلام گواہ ہے کہ جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ اور جناب امام حسنؑ نے اپنے دورِ امامت میں حتی الامکان خونریزی اور قتل و غارتگری سے پرہیز فرمایا۔ شریعتِ مقدس اسلام نے بھی اس بات پر بے حد زور دیا ہے کہ ایک انسان حتی الامکان

اپنی زندگی کا تحفظ کرے۔ اور اپنے خون کے بہائے جانے سے امکان بھر گریز کرے۔

جناب امیر علیہ السلام نے اپنے خطاب میں ارشاد فرمایا:

"میں نے نگاہ دوڑائی تو مجھے اپنے اہل بیتؑ کے سوا نہ کوئی معاون نظر آیا اور نہ کوئی سینہ سپر اور معین دکھائی دیا تو میں نے انھیں موت کے منہ میں دینے سے بخل کیا۔" ۵۵؎

سیرت امام حسنؑ

صلح امام حسنؑ کے بعد جناب حجر ابن عدیؓ جیسے مردِ مجاہد و مجسمۂ ایمان و تقویٰ بارگاہِ امام حسنؑ میں اس حالت میں حاضر ہوئے کہ جسم پر ایک لرزہ طاری تھا اور چہرے پر شدید رنج و غم کے آثار پائے جاتے تھے۔ اسی حالت میں آپؓ امامؑ سے مخاطب ہوئے:

"ہم کراہت و ناراحتی محسوس کر رہے ہیں کہ ذلت و رسوائی کے ساتھ واپس ہوئے جبکہ شام والے خوش و خرم واپس ہوئے۔"

امام حسنؑ آپ کو ایک تنہا گوشہ میں لے گئے اور فرمایا:

"حجر میں نے تمھاری گفتگو سنی لیکن جو تم چاہتے ہو ہر انسان وہی نہیں چاہتا۔ ضروری نہیں کہ تمھاری اور دوسروں کی رائے ایک جیسی ہو۔ میں نے یہ کام صرف اس لیے کیا کہ تم جیسے اصحاب کی جان محفوظ رہے۔" ۵۶؎

اسی طرح ایک اور معتقد صحابی جناب مالک بن ضمرہؓ (جناب ابوذر غفاریؓ کے دوست) بھی انتہائی غم و غصہ کے عالم میں امام حسنؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور صلح کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ امامؑ نے آپ کے کلام کے بعد فرمایا:

"میں نے خوف محسوس کیا کہ کہیں اس زمین پر مسلمانوں کا صفایا
نہ ہو جائے۔ میں نے چاہا کہ اس دین کے دعوت دینے والے باقی
رہ جائیں" ۵۳ے

جناب بشیر ہمدانی نے بھی اس صلح پر ناراضگی کا اظہار کیا اور امامؑ کے سامنے اس بارے میں سوال کیا۔ جس کے جواب میں امام حسنؑ نے فرمایا:

"میرا اس صلح سے کوئی مقصد نہ تھا بجز اس کے کہ تم سے تمہارے
قتل کو دُور کر دوں" ۵۴ے

بہت سی دیگر شخصیات (مثلاً عدی ابن حاتم، سلیمان ابن صرد خزاعی) کو جنھوں نے آپؑ کی صلح پر اعتراض کیا، آپؑ نے یہی جواب فرمایا کہ:

"میں نے خون کو بہنے سے بچایا"

ان تمام تر بیانات کی روشنی میں یہ واضح ہے کہ امام حسنؑ کی سیرت یہ رہی کہ آپؑ نے اپنے انصار و اعوان کے خون کا تحفظ فرمایا۔ اب ممکن ہے کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ حالات وہ رُخ اختیار کرلیں کہ صالح و محترم خون کا بہہ جانا ناگزیر ہو جائے۔ لیکن خون کا بہہ جانا کسی صورت میں بھی ہدف قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی امام حسینؑ نے ایسا کیا۔ چنانچہ امام حسینؑ نے اہلِ کوفہ کے لیے اپنے ایک مکتوب میں فرمایا:

"میں خدا سے امید رکھتا ہوں کہ صلح کے بارے میں میرے بھائی
کی رائے اور ظالم سے جہاد کے بارے میں میرا موقف دونوں
رشد و ہدایت پر مبنی ہیں ....

اب یہ کیسے ممکن ہے کہ جناب امیرالمومنینؑ و جناب حسنؑ کی سیرت کچھ اور ہو۔ اور جناب امام حسینؑ کی سیرت کچھ اور۔

——— جس خون کے تحفظ کے لیے جناب امیرؑ نے ۲۵ سال تک صبر اختیار کیا ایسا صبر جس کے بارے میں خود جناب امیرؑ فرماتے ہیں:

"میں نے صبر اختیار کیا۔ آنکھ میں خاشاک تھی اور گلا گلوگیر تھا۔" ۹۱ے

———وہ خون جس کے تحفظ میں امام حسنؑ نے خلافت الٰہی کا چھن جانا قبول کرلیا اور دوست و دشمن سے ذلت آمیز الفاظ سننا گوارا فرمائے۔

——— کیسے ممکن ہے کہ اسی خون کا بہہ جانا امام حسینؑ کا مقصود و ہدف ہو۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ امام حسینؑ شہادت کو ذریعہ و وسیلہ بناتے ہوئے کسی بلند تر مقصد و ہدف کو پیش نظر رکھے ہوئے ہوں۔

(۲) ہنگامی شہادت سے گریز

اگر مقصدِ حسینؑ فقط اور فقط شہادت ہوتا تو راہِ خدا میں شہید ہونے کے لیے کسی خاص جگہ کا انتخاب کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ بندہ جب اپنی جان کو راہِ خدا میں دینے کا قصد کرلیتا ہے تو اس کے لیے کسی خاص جگہ کا تعین کرنا ضروری نہیں۔ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے برعکس امام حسینؑ بہت سے ایسے موقعوں پر ہنگامی شہادت سے کنارہ کشی اختیار فرماتے ہیں اور اپنی جان کو ہنگامی موت سے بچانے کی کوشش فرماتے ہیں۔



مدینہ سے نکلتے وقت امام روضۂ رسولؐ پر تشریف لے گئے اور قبرِ رسولؐ سے مخاطب ہوکر فرمایا:

"میں آپؐ کے جوار سے خوشی و رضا سے نہیں جارہا ہوں بلکہ مجبوراً مجھے آپؐ سے جدا ہونا پڑ رہا ہے۔ مجھے یزید

کی بیعت پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اگر میں یزید کی
بیعت کروں تو یہ ایک کفر ہے اور اگر بیعت نہ
کروں تو یہ لوگ مجھے شہید کر دیں گے۔" ۲۶

ظاہر ہے کہ امامؑ نانا کے روضے کو صرف اس لیے چھوڑنے پر مجبور ہیں کہ یہاں آپ کو شہید کیے جانے کا خدشہ ہے۔ اگر ہدف صرف شہادت ہوتا تو امامؑ روضۂ رسولؐ کو نہ چھوڑتے۔



آپؑ کو جب یہ علم ہوا کہ والیٔ مدینہ کو یزید کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ بیعت نہ کرنے کی صورت میں آپؑ کو قتل کر دیا جائے تو آپؑ نے مدینہ کو چھوڑ کر اس خانۂ خدا کی طرف جانے کا قصد فرما لیا جو ہر خائف و متحیر و پریشان حال کے لیے جائے امن ہے۔

چنانچہ ۲۸ رجب ۶۰ھ کو امامؑ کا عجلت اور جلدی میں مدینہ چھوڑنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ خداوند عالم کی عطا کردہ حیات کے مقابلہ میں موت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ امام عالی مقام کو مدینہ چھوڑنے کی ضرورت ہی اس لیے پیش آئی کہ وہاں آپ کی جان کو خطرہ درپیش تھا۔

مروی ہے کہ مدینہ چھوڑتے وقت آپؑ اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے:

"خداوندا مجھے ظالمین سے بچا۔"

(سورۂ قصص آیت ۲۱)

جناب موسیٰؑ نے بھی جب جان کے خوف سے مصر کی سرزمین کو خیرباد کہا تو یہی آیت آپ کے ورد زبان تھی۔ چنانچہ جناب امام حسینؑ بھی

مدینہ میں خوف و خطر محسوس فرما رہے تھے چنانچہ آپؑ نے وہاں سے خروج فرمایا۔
جناب موسیٰؑ جب سرزمین مدین پہنچے تو اس آیت کی تلاوت فرمائی۔
"امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھے راستے پر ڈال دے گا۔"

(سورۂ قصص آیت ۲۲)

مکہ پہنچنے پر جناب امام حسینؑ کا اسی آیت کو تلاوت کرنا دلیل ہے کہ امام حسینؑ مکہ کو جائے امن قرار دے رہے ہیں جس طرح کہ جناب موسیٰؑ نے مدین کو قرار دیا۔



تین ۳ شعبان سنہ ۶۰ھ کو آپ مکہ پہنچے اور ۸ ذی الحجہ تک وہاں قیام پذیر رہے۔ ۸ ذی الحجہ وہ دن ہے جب تمام حاجی مکہ چھوڑ کر منیٰ و عرفات کی جانب لبیک کہتے ہوئے رواں دواں ہوتے ہیں۔ لیکن فرزند مکہ و منیٰ، زم زم و صفا، عاشق کعبہ حسینؑ جو پچیس ۲۵ سال مسلسل پاپیادہ حج بجالاتا رہا ہو وہ حج کو چھوڑ کر مکہ سے باہر جاتا نظر آرہا ہے۔
یہ خبر جب مکہ میں پھیلی کہ حسینؑ حج نہیں بجالا رہے تو سب حیران و پریشان ہو گئے اور تعجب کی ایک لہر پورے مکہ میں دوڑ گئی۔ چنانچہ جب یہ خبر محمد بن حنفیہ تک پہنچی تو وہ فوراً امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امامؑ کو اس سفر سے روکنے کی کوشش کی۔ امامؑ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ یزید ابن معاویہ مجھے حرم میں شہید کرے گا جس سے ہتکِ خانۂ خدا ہو گی۔
امامؑ کے حج کو چھوڑ کر مکہ سے جانے کی وجہ فقط یہ تھی کہ امامؑ کی جان حرمِ خدا میں خطرے میں تھی جس کا خود امامؑ نے محمد بن حنفیہ کے جواب

میں اظہار فرمایا۔



ابوہرّہ اسدی نے جب آپؑ سے مکہ چھوڑنے کا سبب پوچھا تو امامؑ نے فرمایا :

"بنی امیہ نے میرے مال کو غصب کیا تو میں نے صبر کیا، میرے خاندان کو سب وشتم کیا تو میں نے صبر کیا لیکن اب جبکہ وہ میری جان کے درپے ہیں تو میں حج اور مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔" ۱۱۶

③ واپسی کی کوشش

تفسیر طلبِ شہادت کی مخالفت میں دیے جانے والے دلائل میں ایک دلیل امام حسینؑ کے وہ متعدد کلمات ہیں جن میں آپؑ نے واپس یا کسی اور مقام پر چلے جانے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ ہم ذیل میں ایسے ہی کلمات ارشادات کا ایک جائزہ پیش کر رہے ہیں :

(الف) جب لشکرِ حُر قافلۂ حسینیؑ کی راہ میں مزاحم ہوا اور حُر نے آپؑ کو کوفہ کی جانب جانے سے روک دیا تو آپؑ نے واپس حجاز کی طرف رخ موڑ لیا۔ جس پر حُر نے آپؑ کو اس طرف جانے کی اجازت بھی نہ دی تو آپؑ نے فرمایا :

"تمھاری ماں تمھارے جنازے پر روئے، تم کیوں میرا راستہ روکتے ہو۔؟"

حُر نے جواب دیا :

"مجھے حکم ہے کہ نہ آپؑ کو کوفہ میں داخل ہونے دوں

اور نہ واپس جانے دوں بلکہ آپؑ کو اسی بیابان
میں روکوں"۔

(ب) کربلا پہنچ کر آپؑ نے عمر ابن قرظہ انصاری کو عمر سعد کی طرف بھیجا تاکہ وہ عمر سعد کو مذاکرات پر آمادہ کریں۔ چنانچہ اسی رات بیس آدمی عمر سعد کی طرف سے اور بیس آدمی امامؑ کی طرف سے مذاکرات کے لیے جمع ہوئے مذاکرات کے دوران امامؑ نے اپنی آمد کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

"میں از خود نہیں آیا ہوں بلکہ تمھارے شہر (کوفہ)
والوں نے مجھے دعوت دی ہے۔ اگر تم میری آمد
پر راضی نہیں ہو تو مجھے یہاں سے واپس جانے دو"۔ ۶۲

عمر سعد نے ان تجاویز پر کسی حد تک اتفاق کیا۔ لیکن ان مذاکرات کی روداد پھر اپنی طرف سے کچھ کلمات کا اضافہ کر کے ابن زیاد کو لکھ بھیجی۔

(ج) صبح عاشور امام حسینؑ نے لشکر عمر سعد سے ایک خطاب فرمایا جس میں دیگر امور کے بیان کے بعد آپؑ نے فرمایا:

"اے لوگو! اگر تم میرے آنے سے خوش نہیں ہو تو
مجھے چھوڑ دو کہ میں زمین کے کسی گوشہ کنار میں
چلا جاؤں"۔ ۶۳

اسی طرح جناب زہیر ابن قین نے لشکر عمر سعد سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے بندگانِ خدا! ابن سمیہ کے مقابلہ میں فاطمہؑ کا

لال مودت ونصرت کا زیادہ حقدار ہے اگر تم اس
کی مدد نہیں کر سکتے تو حسینؑ اور یزید کے درمیان میں
سے ہٹ جاؤ"۔ ۶۴ے

اس کے بعد جناب بریر ابن خذیر نے خطاب فرمایا جس میں امام حسینؑ کی بزرگی وعظمت بیان کرنے کے بعد کہا:

"تم امامؑ کی اس تجویز کو ماننے کے لیے کیوں تیار نہیں
کہ وہ جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلے جائیں"۔ ۶۵ے

لشکر حرؑ، عمر سعد اور لشکر عمر سعد سے امامؑ کا خطاب اور اسی طرح اصحابؑ امامؑ کے خطبات اس امر پر واضح وکافی دلیل ہیں کہ امامؑ کا ھدف و مقصد فقط شہادت کا حصول نہ تھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپؑ واپسی کا مطالبہ نہ فرماتے اور لشکر عمر سعد سے جلد تصادم کی راہ اختیار کرتے تاکہ آپ کا مقصود یعنی شہادت آپؑ کو حاصل ہو جائے۔ شہادت کو مؤخر کر کے واپسی کا مطالبہ کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ آپؑ کا ہدف صرف اور صرف شہید ہو جانا نہیں تھا۔

(۴) ھدفِ متبادل

ردِ تفسیر طلب شہادت پر ایک دلیل امام حسینؑ کے ان بیانات وارشادات سے قائم کی جاتی ہے جن میں آپ کے پروگرام کے بارے میں ایک ھدفِ متبادل کا اشارہ ملتا ہے۔ ان بیانات میں محسوس ہوتا ہے کہ آپؑ کے پیش نظر ایک ہدف اولیٰ ہے۔ اس ہدفِ اولیٰ کی عدم دستیابی کی صورت میں دوسرے مرحلہ پر ایک ہدف متبادل آپؑ کا مقصود ہوگا۔ ان مشروط

بیانات میں آپؑ نے ہمیشہ اس ھدف متبادل کی توضیح کرنے سے گریز فرمایا (اسی وجہ سے آپؑ کے تمام مشاورین واصحاب حیران وسرگردان تھے) ایسے ہی چند بیانات ذیل میں پیش کیے جارہے ہیں :

✿ جناب محمد بن حنفیہؓ کو وصیت نامہ تحریر کرتے ہوئے ایک مقام پر آپؑ نے لکھا :

"...... جس نے میری بات کو مان لیا اس نے حق کو تسلیم کیا وگرنہ میں صبر کروں گا......"

✿ منزل صفاح پر امام حسینؑ کی ملاقات فرزدق بن غالب سے ہوئی۔ آپؑ نے فرزدق سے کوفہ کے حالات دریافت کیے۔ تو فرزدق نے جواب دیا :

"لوگوں کے دل آپؑ کے ساتھ اور تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں اور قضاو فیصلہ آسمان سے نازل ہوتا ہے۔"

امامؑ نے جواب میں فرمایا کہ :

"تم نے سچ کہا۔ ایسا ہی ہے۔ امر و فیصلہ ہمیشہ خدا ہی کے لیے ہے۔ خدا جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے ہمارا رب ہر لحظہ نئی شان میں ہے۔ اگر فیصلہ ہمارے حق میں ہوا تو ہم خدا کا شکر کریں گے اور اس کا شکر ادا کرنے میں بھی ہم اسی کی مدد کے طالب ہیں۔ اگر فیصلہ ہماری امید و رجا کے خلاف

ہو اتب بھی وہ شخص جس کی نیت حق ہو اور تقوے
جس کا شیوہ ہو وہ راستے سے ہٹا ہوا نہیں ہے" ۶۶؎

منزل شقوق میں کوفہ سے آتے ہوئے کسی شخص کو دیکھا تو امامؑ نے اس سے عراق کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ لوگ آپؑ کے خلاف اکٹھے ہیں تو امام نے فرمایا :

"امر خدا کی طرف سے ہوتا ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ میرا رب ہر آن میں نئی شان میں ہے"

آپؑ نے یہاں ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے :

ترجمہ :

"اگر دنیا کو کوئی اچھی چیز بھی سمجھا جائے تب بھی ثواب خدا کی منزلت بلند و اعلیٰ ہے۔ اگر مال چھوڑ جانے کے لیے جمع کیا جاتا ہے تو جس چیز کو چھوڑ کر جانا ہے اس میں کیوں بخل کیا جائے؟ اگر رزق خدا کی طرف مقدر ہے تو حرص نہ کرنا بہتر ہے اگر انسانی جانیں موت کے لیے پیدا ہوئی ہیں تو راہ خدا میں تلوار کے ساتھ مرنا بہتر ہے" ۶۷؎

جب حُر نے آپؑ سے یہ کہا کہ میں خدا کے لیے گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ جنگ کریں گے تو شہید ہو جائیں گے۔

حُر کے جواب میں امامؑ نے برادر اوس کا ایک شعر پڑھا۔ جس کا ترجمہ یوں ہے :

"میں اپنے ہدف کی طرف بڑھتا رہوں گا۔ حق اگر اس

کی نیت ہو، مردانِ صالحین کی سیرت پر عمل پیرا ہو،
ہلاکت سے دور رہو، مجرم سے مخالفت رکھتا ہو
اور مجاہد راہِ خدا میں اسلام کے لیے جہاد کرتا ہو
تو موت جوان کے لیے کوئی عار نہیں ہے۔ میں
اگر زندہ رہا تو پشیمان نہیں ہوں گا اور اگر مر
جاؤں تو کوئی غم نہیں۔ تمھاری ذلت کے لیے یہ
کافی ہے کہ تم زندہ رہو، تمھارے اوپر کوئی مسلّط
ہو اور تمھیں مجبور کیا جائے۔" ۶۸

✿ عمر سعد کے لشکر سے جب آپؑ نے خطاب کیا تو اپنے خطبے کے دوران فروی بن مسیک المرادی کے شعر سے تمسک کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر ہم دشمن کو شکست دیں تو ہم پہلے ہی سے
شکست دیتے رہے ہیں اور اگر ہم مغلوب ہو
جائیں تو یہ شکست، شکست نہیں کہی جائے گی۔" ۶۹

یہ تمام تر مشروط بیانات اور اسی طرح مختلف مواقع پر اپنے اصحاب مشاورین کو مختلف جوابات دینا یہ واضح کرتا ہے کہ امامؑ ایک ہدف اصل رکھتے تھے اور ایک ہدفِ متبادل۔ امامؑ نے اس قسم کے جتنے بھی بیانات دیے۔ ان میں کبھی یہ فرمایا کہ اگر میں نہ نکلوں تب بھی یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے اور کبھی کسی سے یہ فرمایا کہ میں شہادت کے لیے جا رہا ہوں۔ دراصل یہ اختلاف بیانات اسی لیے ہے کہ امام کے نزدیک ہدفِ اولیٰ واصلی کچھ اور تھا اور وہ ہدف یہ تھا کہ مسلمانوں کی گردنوں کو ظالم وجابر حکمرانوں کے شکنجے سے آزاد کرایا جائے۔ چنانچہ جب کربلا

پہنچ کر ہدفِ اولیٰ کے حصول کے تمام تر امکانات تاریک ہو گئے تو امامؑ نے فرمایا:

"..... کہ میں ایسی زندگی سے شہادت کو ترجیح دیتا ہوں۔"

۵ شہادت پر صبر؟

جناب محمد بن حنفیہؒ کو لکھے جانے والے وصیت نامہ میں امامؑ نے ایک بڑا عجیب و غریب جملہ تحریر فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"....... اگر میری بات کو رد کیا گیا تو میں صبر کروں گا۔"

اسی طرح خطبہ مکہ میں بھی آپؑ نے فرمایا:

"ہم اس کی بلا پر صبر کریں گے۔"

(تفصیلات کے لیے دیکھیے ص۱۳۱)

اس جملہ کو بنیاد بناتے ہوئے ہم اس تفسیر کے حامیان سے یہ سوال کرنا چاہیں گے کہ اگر امام حسینؑ کا ہدف اولین یہ تھا کہ آپؑ کو شہادت نصیب ہو تو پھر اس میں صبر کرنے والی کون سی بات ہے؟ کیونکہ اگر کسی فرد کو اس کی خواہش و آرزو کا حصول ہو جائے تو یہ اس کے لیے قابل شکر بات ہے نہ کہ صبر کا مقام جبکہ امامؑ شہادت کو صبر سے تعبیر فرما رہے ہیں۔

۶ مشیّتِ خدا کی توضیح

تفسیرِ طلبِ شہادت کے حامی مفکرین اپنے نظریہ و موقف کی حمایت میں

ایک دلیل یہ دیتے ہیں کہ امام حسینؑ نے اپنے قیام کے دوران کسی مقام پر یہ جملہ دھرایا کہ:

"مشیتِ خدا ہے کہ میں شہید کیا جاؤں۔"

چنانچہ مشیتِ خدا یعنی رضائے خداوندی کے حصول سے بڑھ کر انسان کے لیے اعلیٰ وارفع مقصد و ھدف اور کیا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا امامؑ نے بھی اسی اعلیٰ وارفع مقصد (یعنی شہادت) کے حصول کے لیے قیام فرمایا۔

اس نظریہ کے حامی افراد نے مشیتِ خداوندی کو رضا و خوشنودی خداوندی گردانا ہے۔ ہم پہلے تو یہ سوال کریں گے کہ اگر مشیت خدا سے مراد یہ ہے کہ خدا کی مرضی و رضا اسی میں تھی کہ حسین شہید کر دیے جائیں تو پھر لشکر یزید کے سپاہیوں نے (نعوذ باللہ) خدا کی اس رضا کو عملی جامہ پہنایا۔

اس امر کی مثال یوں لیجیے کہ اگر ایک انقلاب اسلامی برپا ہو اور ایک اسلامی فلاحی مملکت قائم ہو تو یہ فعل خدا کی مرضی و رضا سے کس قدر ہم آہنگ ہو گا اور وہ افراد کہ جنھوں نے خدا کی اس رضا کے حصول میں عملی کردار ادا کیا ہو گا یقیناً بارگاہِ خداوندی میں مستحق اجر و ثواب قرار پائیں گے۔ چنانچہ یہی معاملہ یزیدی سپاہیوں کے ساتھ بھی ہونا چاہیے جو خدا کی رضا و مرضی کو عملی جامہ پہنا رہے تھے۔ بہرکیف یہ تو ایک ضمنی گفتگو تھی۔ دراصل تفسیرِ طلبِ شہادت کے حامی مفکرین اپنی اس دلیل میں ایک ابہام و انحراف کا شکار ہوئے ہیں اور یہ ابہام اس وقت پیدا ہوا کہ جب "مشیت" کو بمعنی 'رضا و خوشنودی' سمجھا گیا۔

اس ضمن میں ہمارا موقف یہ ہے کہ "مشیت" اور "رضا" دو ہم معنی الفاظ نہیں بلکہ مشیت کچھ اور ہے رضا کچھ اور۔ ہمارے موقف کی دلیل کے لیے مندرجہ ذیل چند روایات ملاحظہ فرمایئے:

علی بن ابراہیم ہاشمی نے امام موسیٰ بن جعفرؑ سے نقل فرمایا کہ امامؑ نے فرمایا :

"خدا کے قضا و قدر اور مشیت و ارادے کے بغیر
کوئی چیز کائنات میں وجود میں نہیں آتی"

راوی نے سوال کیا :

"مشیت سے کیا مراد ہے ؟"

آپؑ نے فرمایا :

"کسی فعل کی ابتدا ہونا" [۷۰]

عبداللہ بن سنان نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا کہ ہم نے امام جعفر صادقؑ سے سُنا :

"خدا نے امر کیا اور چاہا نہیں ، چاہا اور امر نہیں کیا ،
ابلیس کو امر کیا کہ آدم کو سجدہ کرے مگر مشیت یہ کی
کہ سجدہ نہ کرے ۔ آدم کو اکل شجرہ سے منع کیا اور
مشیت یہ کی کہ وہ کھائیں ، اگر وہ ارادہ کر لیتا تو وہ
نہ کھاتے" [۷۱]

فضیل بن یسار نے امام جعفر صادقؑ سے سُنا کہ آپؑ نے فرمایا :

"خدا نے چاہا اور ارادہ کیا اور محبت نہیں کی اور راضی
نہیں ہوا ۔" [۷۲]

امام نے توضیح فرمائی کہ کوئی چیز کائنات میں نہ ہوگی لیکن یہ کہ اس کے

علم میں ہو۔ اسی طرح ارادہ کیا اور راضی نہیں ہوا کہ بندے تثلیث کے قائل ہو جائیں۔

فتح بن یزید جرجانی نے امام ابوالحسنؑ سے سُنا کہ آپ نے فرمایا:

"خدا کے لیے دو ارادے اور دو مشیتیں ہیں۔ ارادۂ حتم و ارادۂ عزم۔ وہ نہی کرتا ہے اور چاہتا ہے، امر کرتا ہے اور نہیں چاہتا ہے۔"

اور فرمایا کہ:

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خداوندِ عالم نے آدم اور حوّا کو نہی کیا اکلِ شجر سے اور مشیت کی کہ وہ کھائیں، اگر خدا نہ چاہتا کہ وہ دونوں شجر سے کھائیں تو قطعاً ان دونوں کی چاہت خدا کی چاہت پر غالب نہ آتی۔ ابراہیمؑ کو امر کیا کہ وہ ذبحِ ولد کریں اور نہیں چاہا کہ وہ ذبح ہو جائیں۔ اگر خدا چاہتا کہ ذبح ہو جائیں تو مشیت ابراہیمؑ مشیت خدا پر غالب نہ آتی۔" [۴۳]

ابی بصیر نے امام صادقؑ سے ایک روایت نقل کی جس میں راوی نے آپؑ سے سوال کیا:

"مشیت ارادہ قضا و قدر کے معنی کیا ہیں کیا مشیت کے معنی محبت و مرضی کے ہیں۔"

امامؑ نے جواب دیا:

"ہم کو خداوند عالم نے بتایا ہے کہ مشیت کے معنی محبت و رضا کے نہیں۔ خدا نے چاہا (مشیت کی) مگر اس سے راضی نہ ہوا نہ محبت کی۔" [۲۳]

ان تمام تر روایات کا خلاصہ یہ کہ مشیتِ خداوندی وہ علمِ خداوندی ہے کہ جسے ظہور پذیر ہونا ہے مگر ضروری نہیں کہ یہ واقعہ اس کی رضا و خوشنودی کا بھی سبب ہو۔ امام حسینؑ جو برترین خلائق و پاک و منزہ شخصیت کے حامل ہیں کیسے ممکن ہے کہ خدا اس بات سے خوش ہو کہ آپ اس قدر رنج و الم کے بعد بے دردی سے قتل کر دیے جائیں۔ چنانچہ شہادتِ امام حسینؑ مرضیِ خداوندی نہیں بلکہ قہر و عذابِ خداوندی ہے جو اس امتِ مسلمہ پر نازل ہوا اور قاتلانِ حسینؑ مستحقِ عذابِ الٰہی ہیں۔

تبھی تو جنابِ زینبؑ نے بازار کوفہ میں فرمایا:

"کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ آسمان تم پر آنسو بہائے اور خدا کا غضب تم پر نازل ہو۔"

(۷) شہادت کی خبر

امام حسینؑ نے اپنے سفر کے دوران کسی بھی مقام پر یہ نہ فرمایا کہ میرا مقصد "حصولِ شہادت" ہے بلکہ ہر مقام پر آپؑ نے اپنی شہادت کی خبر دی ہے۔

یقیناً کسی ہونے والے واقعہ کی خبر دینا اور اس کو اپنا ہدف قرار دینا دو مختلف چیزیں ہیں۔

⑧ کلماتِ سیاسی

مدینہ سے مکہ اور مکہ سے لے کر سرزمین کربلا تک امام حسینؑ نے جتنے خطبات ارشاد فرمائے اور جتنے خطوط تحریر فرمائے۔ اس میں واضح طور پر اپنے ہدف و مقصد کو معین فرمایا۔ امام حسینؑ کے یہ ارشادات جن میں آپ اصلاح قیادت کو اپنا مقصد و ہدف گردان رہے ہیں منکرین تفسیر طلب شہادت کی فکر کے خلاف واضح و محکم دلیل ہیں۔ ان بیانات کو تفصیل سے تفسیر سیاسی میں بیان کیا گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو تفسیر سیاسی)

تفسیر احیائے ضمیر

اس سے پیشتر کہ ہم تفسیر احیائے ضمیر کی تفصیلات قارئین کی خدمت میں پیش کریں ضروری ہوگا کہ بیان کردہ تمام تر تفاصیل کے بارے میں اخذ کیے جانے والے نتائج کا تذکرہ کر دیں۔

ہماری نظر میں دلائل و براہین کی روشنی میں 'تفسیرِ طبقاتی' و'تفسیرِ فدا' نہ صرف یہ کہ باطل تفسیریں ہیں بلکہ اپنے اندر مضر اثرات بھی لیے ہوئے ہیں۔ تفسیرِ اتفاقی تاریخی شواہد کی روشنی میں غیر معقول ثابت کی گئی۔ اور اسی طرح تفسیرِ غیبی منطقی و عقلی اعتبار سے قابلِ قبول نہیں۔

تفسیرِ اخلاقی کے مفکرین کی نظر میں امامؑ کا انکارِ بیعت اگر ردِ بسیط جیسا تھا تو یہ تفسیر غیر معقول ہے۔ البتہ اگر امام حسینؑ کا 'ردِ بیعت' ردِ مرکب تصور کیا جائے تو پھر تفسیرِ اخلاقی، تفسیرِ سیاسی سے ہم آہنگ ہو جائے گی۔ مفسرین

تفسیرِ طلب شہادت نے اپنے موقف کے بارے میں جو دلائل پیش کیے ہیں وہ نامکمل وناتمام ہیں۔ ہم نے واضح ومکمل دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ شہادت کو ہدف اولی واصلی نہیں بنایا جاسکتا بلکہ شہادت کسی اور ہدف کے حصول میں ذریعہ ثابت ہوسکتی ہے۔

جہاں تک تفسیر سیاسی کا تعلق ہے دلائل وبراہین کی روشنی میں یہ تفسیر حقیقت سے کسی حد تک قریب ہے۔ مگر جناب مسلمؑ کی شہادت کی خبر اور خاص طور پر لشکر حرؑ سے ملاقات کے بعد اس ہدف کے حصول کے امکانات قریب قریب نہ ہونے کے برابر ہو گئے حتیٰ کہ نویں محرم وقت عصر اس کے امکانات بالکل ہی ختم ہو گئے۔ اس مقام پر پہنچ کر امام حسینؑ کے سامنے تین راستے تھے:

(۱) ←—— سفر سے واپسی

(۲) ←—— بیعت یزید لعین

(۳) ←—— شہادت

جہاں تک پہلی راہ کا تعلق ہے۔ یہ راہ ۹ محرم وقت عصر یقینی طور پر امام حسینؑ کے لیے مسدود ہو چکی تھی جبکہ واپسی کے تمام راستوں پر پہرے بٹھا دیے گئے اور واپسی کے مطالبہ کو بھی رد کر دیا گیا۔

اب فقط دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔ یا تو فرزند فاطمہؑ، ابن مرجانہ کے نجس ہاتھوں میں اپنا پاک ومطہر ہاتھ رکھ کر یزید فاسق وفاجر کی رسمی بیعت کرلیں یا مرگِ سرخ کو عار وذلت پر ترجیح دیں۔ چنانچہ فقط ایک شہادت کی راہ باقی رہ جاتی ہے۔ مگر تعجب خیز بات یہ ہے کہ امامؑ فقط اپنے آپؑ ہی کو شہادت کے لیے پیش نہیں کر رہے ہیں بلکہ آپؑ کے ساتھ آپؑ کے جانثار بھی ہیں جو آپ کے ہمراہ جام شہادت نوش کرنے کے لیے آمادہ وتیار ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب امامؑ کے سامنے فقط راہِ شہادت ہے تو پھر امامؑ اس شہادت

کے ذریعہ کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں ؟

کیا امامؑ کے پیش نظر کوئی ایسا پروگرام ہے جو آپ کی شہادت کے مقدمہ کے بعد عمل پذیر ہونا شروع ہوگا ۔۔۔ ؟

اس سے پہلے کہ ہم ان سوالات کا جواب دیں۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شہادتِ امامؑ کے کیا ممکنہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس شہادت کے پیچھے اگر کوئی مقصد و ہدف کارفرما ہو سکتا ہے تو وہ تین۳ حالتوں سے خالی نہیں:

۱ ۔۔۔۔ بنی امیہ کو ناقابلِ تلافی نقصان ہو۔

۲ ۔۔۔۔ امام حسینؑ کو فائدہ ہو۔

۳ ۔۔۔۔ اسلام و مسلمین کے لیے فائدہ مند و سودمند ہو۔

یہ امر تو واضح ہے کہ شہادتِ جناب امام حسینؑ سے حکومت بنی امیہ کو بظاہر کوئی ایسا ناقابلِ تلافی نقصان تو نہ ہوا کہ جس کی وجہ سے یہ اقتدار و سلطنت فوری طور پہ نابود ہو جاتا بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ اس خونیں واقعہ کے بعد یزید فاسق کی جرأت اس قدر بڑھی کہ اس نے مدینہ و مکہ پہ فوج کشی کر دی۔

جہاں تک امام حسینؑ کے فائدے کی بات ہے تو اس شہادت کے نتیجہ میں ایسی بھی کوئی بات دیکھنے میں نہیں آئی۔ بلکہ جہاں ایک طرف آپؑ اور آپؑ کے جانثاران میدانِ کربلا میں پیاسے شہید کر دیے گئے تو دوسری طرف خانوادۂ اہلبیت کو رسوا و ذلیل کرنے کی ہر ہر کاوش و کوشش کر لی گئی۔ امام سجادؑ نے منہال کے جواب میں فرمایا:

"ہمیں ذلیل و خوار کر کے بازاروں میں پھرایا گیا۔ گویا ہم رسولؐ کے عزیز نہیں بلکہ ترک و دیلم کے غلام و کنیز ہیں۔"[۱]

باقی رہ جاتی ہے تیسری صورت یعنی امام حسینؑ کی شہادت کسی طریقہ سے اسلام و مسلمین

کی بقا کا سبب بن جائے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ایسا ہوا بھی۔ چنانچہ ہماری نظر میں امام کے پیش نظر اول روز سے یہ ہدف تھا کہ یا تو آپؑ خود زندہ رہیں اور اصلاح قیادت کے ذریعہ اصلاح امت کا فریضہ انجام دیں اور اگر آپؑ کے اس ہدف میں امت آپؑ کا ساتھ نہ دے تو شہادت کے ذریعہ اس امت کے خوابیدہ اذہان کو یک دم بیدار کر دیں۔

بالفاظ دیگر امام حسینؑ کا ہدف اولین تو یہ تھا کہ اصلاحِ قیادت کی جائے اور اس منصب کو اس کے صحیح حقداروں تک پہنچایا جائے مگر امت مسلمہ اس ہدف کے حصول میں آپؑ کی ممد و معاون ثابت نہ ہو سکی چنانچہ آپؑ نے شہادت کو ایک وسیلہ بناتے ہوئے احیائے ضمیر انسانی کا عظیم کام انجام دیا۔

ہم اپنے اس موقف کی حمایت میں امامؑ کے کسی واضح ارشاد سے استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ امامؑ نے کسی بھی مقام پہ یہ بیان نہ فرمایا کہ میں امت کے ضمیروں کے احیاء کے لیے قیام کر رہا ہوں۔ مگر ہماری تحقیق ہمیں بتاتی ہے کہ اس فریضہ کی سنگینی و اہمیت کے پیش نظر امام حسینؑ نے اپنے اس ہدف و مقصد کو خفیہ رکھا البتہ اپنے بیاناتؑ کلمات میں جگہ جگہ مخفی انداز میں اس طرف اشارہ فرماتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مکہ سے روانگی کے وقت جناب عبداللہ ابن جعفر طیار نے روکا اور آپ سے دریافت کیا کہ رسول اکرمؐ نے آپؑ سے کیا کہا ہے تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"میں نے وہ بات نہ کسی کو بتائی ہے اور نہ بتاؤں گا۔"

شاید اسی ہدف کو مخفی رکھنا مقصود ہی تھا کہ جس کی بنا پر آپؑ نے اپنے تمام تر سیاسی مشاورین کی آراء سے اتفاق کرنے کے باوجود ان کے مشوروں کے خلاف عمل کیا تاکہ آپؑ کے اس ہدف کی جانب کسی کی نگاہ نہ جا سکے البتہ اپنے اس پروگرام کے نتائج کے بارے میں آپؑ پیش گوئیاں فرماتے رہے جیسا کہ آپؑ نے ایک مقام

پر فرمایا :۔
"مجھے قتل کرنے والوں کا حشر قومِ ثمود سے بھی بدتر ہوگا۔"
یا یہ کہ ــــــــ
"اس قوم پر جلد ہی ان کو ذلیل و رسوا کرنے والے مسلط ہو جائیں گے
اور انھیں میرے قتل کے بعد اتنی بھی مہلت نہ ملے گی کہ جتنی ایک سوار
ایک رکاب میں پاؤں رکھنے کے بعد دوسری رکاب میں پاؤں ڈالنے
کے برابر وقت لیتا ہے۔"

اگر نظر بہ غائر دیکھا جائے تو اس ہدف کو مخفی رکھنا بے حد و اشد ضروری بھی تھا۔ آپ اپنے اس ہدف کے حصول کے لیے ہی خانوادۂ نبوت کو ہمراہ لے گئے تھے خدانخواستہ اگر آپؑ کا یہ مقصد و ہدف بنی امیہ پر آشکار ہو جاتا تو یزید اسیرانِ کربلا کو بظاہر انتہائی عزت و احترام سے مدینہ واپس بھجوا دیتا اور کوفہ و شام کے بازاروں میں ہرگز نہ پھراتا۔

سالارِ شہیدان امام حسینؑ کی شہادت کے بعد شامِ غریباں لشکرِ یزید نے خیامِ حسینیؑ پر یورش کی۔ خاندانِ عصمت و طہارت کی باحجاب خواتین کے سروں سے چادروں کا چھیننا تھا کہ امامؑ کے اس پروگرام کا اجرا ہو گیا۔

خیامِ حسینیؑ سے اٹھنے والے شعلوں نے عالمِ انسانیت کو ایک نئے ہدف نئے پروگرام کی خبر دی۔

کربلا کے تپتے ریگزار سے لے کر کوفہ و شام کے بازاروں تک اس پروگرام نے اپنے تمام اسلوب واضح و روشن کر دیے۔

اپنے عزیزوں سے بچھڑ جانے والی بے آسرا خواتین کے بین ــــــ بن باپ بچوں کی آہ و زاری اور جنابِ سجادؑ کے جسم پر سجی ہتھکڑیوں کی جھنکار نے واقعۂ کربلا کے

وہ نتائج آشکار کر دیے اور ضمیر انسانی پر وہ اَنمٹ نقوش مرتب کر دیے جن کو رہتی دنیا تک کوئی یزیدی باطل قوت نہ مٹا سکے گی۔

احیائے ضمیر انسانی کا فریضہ انجام دینے والا یہ قافلہ ہر ہر مقام پر ——— ہر ہر بازار، گلی کوچہ اور ہر ہر دربار سے سرخرو و فتحمند ہو کر نکلا اور انسان و انسانیت کو فتح و کامیابی کے ایک نئے معانی ——— نئے اسلوب ——— اور ——— نئے مزے سے آشنا کرتا گیا۔ اس عظیم قافلہ اور اس نئے پروگرام کی قائد و رہبر جناب زینب سلام اللہ علیہا ہیں۔

چرخ نیلگوں نے اس مخدرۂ عظیم کی زبان سے وہی کلمات بازارِ کوفہ و شام میں سنے جو اس سے پیشتر زبانِ مبارک امام حسینؑ پر مکہ و مدینہ اور کربلا میں جاری ہوئے۔ گویا یہ ایک ہی تحریک ——— ایک ہی اسکیم ——— ایک ہی پروگرام کی دو کڑیاں ہیں جو انتہائی مضبوطی و استحکام کے ساتھ آپس میں پیوست ہیں۔

سوالات وجوابات

واقعہ

تاریخ بتاتی ہے کہ مرگِ معاویہ کے بعد یزید نے ایک حکمنامہ والی مدینہ ولید ابن عتبہ بن ابوسفیان کے نام ارسال کیا۔ اس حکمنامہ میں معاویہ کی موت اور یزید کی تخت نشینی کی اطلاع تحریر تھی اور ساتھ ہی اہل مدینہ سے بیعت لینے کا حکم درج تھا۔

اس حکمنامہ کے ساتھ ہی ایک کاغذ کا ٹکڑا تھا جس پر خصوصی طور پر عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر اور امام حسینؑ سے بیعت لینے کا ذکر کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی یہ تحریر تھا کہ اگر یہ شخصیات بیعت کرنے سے انکار کر دیں تو انھیں قتل کر دیا جائے۔

والی مدینہ ولید ابن عتبہ کو جیسے ہی یہ دونوں خطوط موصول ہوئے اس نے مروان کو مشاورت کے لیے بلا بھیجا اور مشاورت کے بعد اسی رات اپنے کارندے امام حسینؑ کی طرف روانہ کر دیے۔

امام اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ولید کے کارندوں نے آپؑ کو مسجد ہی میں ولید کا پیغام پہنچایا۔ آپؑ نے کارندوں کو واپس روانہ کر دیا اور گھر تشریف لے گئے۔ بنی ہاشم کے نوجوانوں کو مسلح ہونے کا حکم دیا اور ان نوجوانوں کے ہمراہ دارالامارہ پہنچے۔ ان نوجوانوں کو دارالامارہ کے دروازے پر مامور کیا اور یہ حکم دیا کہ اگر اندر سے میری آواز بلند ہو تو بے دریغ اندر داخل ہو جانا۔

اس کے بعد آپؑ اندر تشریف لے گئے۔ ولید نے انتہائی احترام سے آپؑ کا استقبال کیا اور اپنا مدعا کہہ سنایا۔

آپؑ نے ولید کے مطالبہ کو سننے کے بعد فرمایا:

"اے ولید ——— تم میری مخفی و پوشیدہ بیعت پر اکتفا نہ کرو گے اور مجھے بھی زیب نہیں دیتا کہ چھپ کر بیعت کروں۔ بہتر یہ ہو گا کہ سب کو بلاؤ اور پھر بیعت کا مطالبہ کرو۔ وہاں ہم دیکھیں گے کہ کون اس منصب کا زیادہ حقدار ہے۔"

ولید نے آپؑ کی بات سے اتفاق کیا مگر مروان خاندان اہلبیتؑ سے اپنی دیرینہ نفرت و عداوت کو نہ چھپا سکا۔ چنانچہ انتہائی درشت لہجہ میں ولید سے مخاطب ہوا:

"اگر حسینؑ یہاں سے نکل جائیں گے تو تم پھر کبھی ان پر قابو نہ پا سکو گے یہاں تک کہ قتل و خونریزی کا سامنا کرنا پڑے بہتر ہو گا کہ بیعت ہونے تک انھیں یہیں روکے رکھو۔"

مروان کی اس نفرت انگیز گفتگو پر امامؑ جلال میں آ گئے اور مروان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

"اے فرزندِ زرقا ـــــ نہ تمھارے اور نہ ولید کے بس کی بات ہے کہ مجھ کو قتل کر سکے۔ تم میں سے کس کی جرأت ہے کہ مجھے قتل کر سکے۔"

اس کے بعد آپؑ ولید کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"اے ولید ـــــ ...... تم بھی صبح تک انتظار کرو اور ہم بھی کرتے ہیں۔ تم بھی دیکھو اور ہم بھی دیکھتے ہیں کہ خلافت و بیعت کا حقدار کون ہے۔"

(تفصیلات کے لیے دیکھیے تفسیر سیاسی)

سوالات: ـــــ بیان کردہ اس واقعہ سے مندرجہ ذیل سوالات ابھر کر سامنے آتے ہیں:

سوال نمبر ۱: ولید بن عتبہ کو جو حکمنامہ موصول ہوا اس کے ساتھ ایک کاغذ کا پرزہ منسلک تھا جس پر ایک خصوصی حکم درج تھا۔ یزید نے اس حکم کو بھی اصل حکمنامہ کے متن میں کیوں نہ شامل کر دیا اس کے لیے الگ سے ایک کاغذ کا پرزہ کیوں استعمال کیا؟

سوال نمبر ۲: ولید اور مروان دونوں خاندان بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے اور دونوں ہی حکومت بنی امیہ کی با اثر و معتمد شخصیات میں شمار کیے جاتے تھے مگر امام حسینؑ کے سامنے دونوں کے رویوں اور لہجوں میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟

سوال نمبر ۳: امامؑ نے دربارِ ولید میں واضح طور پر یزید کی بیعت سے انکار کیوں نہ کیا۔ آپؑ کے غیر واضح انداز کی کیا وجہ ہے؟

سوال نمبر ۴: ولید نے مروان کے مشورہ اور یزید کے حکم کے برخلاف

امامؑ کو دربار سے چلے جانے دیا اور ان کے قتل سے گریز کیا۔ ولید نے ایسا کیوں کیا؟

سوال نمبر ۱ کا جواب

اس چھوٹے سے پرزے پر اس حکم کو تحریر کرنے کی دو وجوہات تھیں:

① —— یزید ابن معاویہ بھی ان نتائج سے بے خبر نہ تھا جو قتل حسینؑ کے نتیجہ میں رونما ہوتے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ امام حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ ثمر بخش نہ ہوگا اور امامؑ کسی بھی قیمت پر اس مطالبہ کو منظور نہ کریں گے۔

② —— دوسری طرف امام حسینؑ کو آزاد چھوڑ دینا بھی حکومت یزید کے مفاد میں نہ تھا۔ بلکہ عین ممکن تھا کہ یزید کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جاتا۔ لہٰذا ایک کاغذ کے پرزے کے ذریعہ اس نے ولید کو یہ حکم دیا کہ وہ امام حسینؑ کو شہید کردے اور خود اس پرزے پر اپنے دستخط بھی نہ کیے تاکہ قتل حسینؑ کے تمام تر نتائج ولید کو بھگتنے پڑیں اور وہ خود یہ کہہ کر بری الذمہ ہو جائے کہ یہ پرزہ تو اس نے لکھا ہی نہ تھا۔

سوال نمبر ۲ کا جواب

درحقیقت ولید بن عتبہ اور مروان بن حکم دونوں ہی اس بات کے خواہاں تھے کہ امامؑ سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کریں اور کسی نہ کسی صورت امامؑ کو بیعت یزید پر آمادہ کرلیں لیکن امامؑ سے گفتگو کے دوران دونوں کے لہجوں میں واضح

فرق چند وجوہات کی بنا پر تھا۔

ولید بن عتبہ

ولید بن عتبہ خاندان بنی امیہ میں نرم مزاج سنجیدہ اور عقل وشعور کا مالک سمجھا جاتا۔ وہ امام حسینؑ سے سختی کرنے کے حق میں نہ تھا اور اسے حکومت بنی امیہ کے مفاد میں خیال نہ کرتا تھا۔ مندرجہ ذیل چند شواہد ولید کی اس فکر پہ واضح روشنی ڈالتے ہیں:

(۱) ـــــ امام حسینؑ کے دربار سے واپس چلے جانے کے بعد مروان نے ولید کو لعنت ملامت اور نفرین کی۔ جس کے جواب میں ولید نے کہا:

"افسوس اے مروان تجھ پر۔ تونے مجھے وہ مشورہ دیا جس سے میرے دین و دنیا دونوں جاتے۔ جو شخص خونِ حسینؑ میں ملوث ہوا روزِ قیامت اس کا میزانِ عمل بے حد خفیف ہوگا۔"

(۲) ـــــ قتل حسینؑ سے ولید کے گریز کا ایک شاہد اس کا وہ خط ہے جو اس نے عبیداللہ ابن زیاد کو تحریر کیا اور جس میں ابن زیاد کو قتل حسینؑ میں ملوث ہونے سے ڈرایا۔

(۳) ـــــ امامؑ کے دربار سے چلے جانے کے بعد ولید اپنے کارندوں کے ذریعہ امامؑ کے حالات کی فکر میں رہتا اور یہ وقتاً فوقتاً معلوم کرواتا کہ امامؑ مدینہ ہی میں ہیں یا تشریف لے گئے اس طرح وہ اس فکر میں تھا کہ کسی طرح امامؑ مدینہ سے تشریف لے جائیں تاکہ وہ قتل حسینؑ میں ملوث ہونے سے بچ جائے اور یہ بلا اس کے سر سے ٹلے۔

ولید بن عتبہ کی خواہش تھی کہ امامؑ کو نرمی و لجاجت سے بیعت یزید پر آمادہ کیا جائے چاہے اس میں کچھ وقت ہی کیوں نہ لگ جائے اور اگر پھر بھی امام بیعت پر آمادہ نہ ہوں تو ان سے عدم مزاحمت اور حکومت کے خلاف تحریک نہ چلانے کا وعدہ ہی لے لیا جائے۔

یہی وجہ تھی کہ یزید کی جانب سے موصول ہونے والے حکمنامہ کے ملتے ہی مروان کو جس سے خود اس کے تعلقات اچھے نہ تھے مشورہ کے لیے طلب کیا۔ مروان کو مشورہ کے لیے بلانا دلیل ہے کہ ولید ایک طرف امامؑ سے بیعت کا خواستگار تھا اور دوسری طرف اس مسئلہ کے پرامن حل کا بھی خواہاں تھا۔

مروان بن حکم

مروان بن حکم کے درشت لہجہ کی بھی چند وجوہات ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم ان وجوہات کا ذکر کریں ضروری ہوگا کہ مروان کا مختصر تعارف کروا دیا جائے۔

مروان، حکم بن عاص کا بیٹا تھا۔ حکم مکہ میں پیغمبر اکرمؐ کا پڑوسی تھا۔ یہی شخص تھا جو مکہ میں پیغمبرؐ کو انتہائی اذیتیں دیتا اور آپؐ کا تمسخر اڑاتا۔ فتح مکہ کے بعد جب یہ شخص اپنے بیٹے مروان کے ہمراہ مدینہ وارد ہوا تو پیغمبر اکرمؐ نے اس کو طائف چلے جانے کا حکم دیا اور اس کے حق میں نفرین فرمائی۔

مروان نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی تھی مگر کچھ عرصہ بعد بیعت توڑ کر بصرہ بھاگ گیا اور جناب امیرؑ کے خلاف ایک شورش برپا کی۔

جناب امیرؑ نے خصوصی طور پر اس بدذات کے خصائل کا تذکرہ فرمایا ہے:

"جمل کے موقعہ پر جب مروان بن حکم گرفتار کیا گیا تو اس نے

حسن اور حسین علیہم السلام سے خواہش کی کہ وہ امیر المومنینؑ سے اس کی سفارش کریں۔ چنانچہ ان دونوں حضراتؑ نے امیر المومنینؑ سے اس سلسلے میں بات چیت کی۔ اور حضرتؑ نے اسے رہا کر دیا۔ پھر دونوں شہزادوں نے کہا کہ یا امیر المومنینؑ یہ آپؑ کی بیعت کرنا چاہتا ہے۔ تو حضرتؑ نے اس کے متعلق فرمایا:

"کیا اس نے عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد میری بیعت نہیں کی تھی۔؟ اب مجھے اس کی بیعت کی ضرورت نہیں۔ یہ یہودی قسم کا ہاتھ ہے۔ اگر ہاتھ سے بیعت کرے گا تو ذلیل طریقہ سے توڑ بھی دے گا تمھیں معلوم ہونا چاہئیے کہ یہ بھی اتنی دیر کہ کتا اپنی ناک چاٹنے سے فارغ ہو حکومت کرے گا اور اس کے چار بیٹے بھی حکمران ہوں گے اور امت اس کے اور اس کے بیٹے کے ہاتھوں سختیوں کے دن دیکھے گی۔"

(نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۷۱)

مروان کی امام حسینؑ سے درشتی سے پیش آنے کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں:

○ ـــــــ یہ شخص ولید بن عتبہ سے ایک دیرینہ عداوت و بغض رکھتا تھا۔ دوسری طرف یہ بھی جانتا تھا کہ ولید ایک کاہل سست اور عافیت پسند انسان ہے۔ اور

مطالبہ بیعت میں حتی الامکان سختی سے گریز کرے گا۔
اور امامؑ کے انکار بیعت کی صورت میں ان کو شہید کرنے
سے حتی الامکان تساہل برتے گا۔ چنانچہ وہ یزید پر یہ واضح
کرنا چاہتا تھا کہ اس کا گورنر ایک نااہل شخص ہے جس
کی کاہلی، سستی اور بزدلی کی بنا پر امام حسینؑ اس کے
ہاتھوں سے نکل گئے۔

(۲) ——— مروان نہ صرف ولید بلکہ معاویہ اور یزید سے بھی عداوت و
نفرت رکھتا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو بنی امیہ کی سب
سے بزرگ و مقتدر شخصیت گردانتا اور اس کے نتیجہ میں
یہ استدلال کرتا کہ خلافت و ولایت کا اصل حقدار وہ
ہے نہ کہ یزید۔
اس کی نظر میں معاویہ نے یزید کی جانشینی کا اعلان کر کے
اس کی حق تلفی کی ہے۔ چنانچہ وہ چاہتا تھا کہ یزید قتل
حسینؑ میں جلد بازی کرے تاکہ اس حماقت کے نتائج
بھی اسی کو بھگتنے پڑیں جس کے نتیجہ میں مروان اسے
معزول کر کے خود ولایت و اقتدار پر قابض ہو جائے۔

(۳) ——— مروان، حسینؑ اور اجدادِ حسینؑ سے بھی ایک دیرینہ
دشمنی اور عداوت رکھتا تھا۔ کیونکہ پیغمبر اکرمؐ نے اسے
اور اس کے باپ کو مدینہ سے جلا وطن کر دیا تھا اور کئی
مقام پر ان دونوں پر لعنت و ملامت بھی فرمائی تھی
یہی وجہ تھی کہ یہ شخص تدفین امام حسنؑ پر مزاحم ہوا

اور روضۂ رسولؐ پر امام حسنؑ کے جسدِ مطہر کو دفن
نہ ہونے دیا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ امام حسینؑ کو
بھی قتل کر دیا جائے تاکہ اس کے بغض و عداوت سے
بھرے جذبات کو تسکین میسر ہو۔

ان وجوہات کی بنیاد پر ولید اور مروان کے لب و لہجہ میں فرق پایا جاتا ہے۔

سوال نمبر۳ کا جواب

امامؑ کے اس غیر واضح جواب کی دو وجوہات ہیں:

(۱) —— بیعت امت کا مسئلہ ہے نہ صرف امام حسینؑ کی ذات کا۔ چنانچہ عقلی طور پر یہ مطالبہ بھی امت کے سامنے ہونا چاہیے۔ جہاں آزادانہ فضا میں افرادِ امت کسی فیصلہ تک پہنچ سکیں۔ امام جانتے تھے کہ اگر یہ مطالبہ عوام کے سامنے پیش کیا گیا تو افراد کی اکثریت اس کو مسترد کر دے گی۔

(۲) —— امامؑ نے ابتدا ہی سے سختی سے پیش آنا مناسب نہ سمجھا بلکہ ایسا بیان دیا جس سے ولید شک و الجھن میں مبتلا ہو گیا اور امام کے اصلی و قطعی فیصلہ سے ناآشنا ہی رہا۔ اس طرح ایک تو دشمن امامؑ پر کوئی فوری وار نہ کر سکا اور آپ کو بھی کچھ مہلت مل گئی۔

سوال نمبر ۴ کا جواب

ولید کے اس فعل کی چند وجوہات ہیں :

○ ——— جیسا کہ پیشتر بیان کیا گیا کہ ولید کسی بھی صورت میں قتل حسینؑ میں ملوث ہونا نہ چاہتا تھا۔

○ ——— دوسری جانب ولید بخوبی آگاہ تھا کہ دارالامارہ کے دروازے پر بنی ہاشم کے جیالے نوجوان، سپہ سالارانِ میدان، عاشقانِ شہادت اپنی تلواریں نیام سے باہر نکالے منتظر ہیں کہ اپنے آقا و مولا کے حکم پر قصرِ امارہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ چنانچہ اگر ولید کسی بھی قسم کی غلطی کا ارتکاب کرتا تو خود بھی اپنے ہی خون میں نہا جاتا۔

سوال نمبر ۵ :

امام حسینؑ جو فرزند امیرالمومنین علی ابن ابیطالبؑ فاتح بدر و حنین ہیں، عاشق شہادت ہیں، راتوں رات خفیہ طور پر مدینہ چھوڑ کر مکہ روانہ ہو گئے۔ کیا امام کا یہ فعل مردان حق کے شیوہ کے خلاف نہیں ؟ کیا اسے فرار سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا ؟

جواب :

اگر امام حسینؑ بیعت کو مسترد کرنے کے بعد مدینہ میں قیام فرماتے تو یہ

آپؑ کی جان کے لیے سخت خطرہ کا سبب بن جاتا کیونکہ اس بات کا قوی امکان تھا کہ ولید کو معطل کر دیا جاتا اور کسی دوسرے شخص کے ذریعے امامؑ پر فوج کشی کی جاتی۔ اس وقت امامؑ کے پاس کوئی طاقت نہ تھی جس کے بل بوتے پر آپؑ حکومتی سپاہیوں سے لڑ سکتے۔ اور اس طرح آپؑ کا پیغام مدینہ سے نہ نکل پاتا۔ آپؑ کو شہید کر کے آپؑ کے خون کو ضائع کر دیا جاتا۔ چنانچہ ضروری ہو گیا تھا کہ حکومت کی نظروں سے بچتے بچاتے حتی الامکان عجلت میں مدینہ سے کوچ کیا جائے۔

سوال نمبر ۶:

امام حسینؑ نے مدینہ سے نکلنے کے بعد مکہ کو اپنی منزل کیوں قرار دیا؟

جواب:

مدینہ سے نکلنے کے بعد امام حسینؑ کو ایک ایسی جگہ کی ضرورت تھی جہاں آپؑ دشمن کے خطرے سے محفوظ رہ سکیں۔ تاکہ اپنے پیام کو لوگوں تک پہنچانے میں کوئی رکاوٹ نہ پیش آئے۔

اس وقت اس نقطۂ نگاہ سے مکہ سے بہتر کوئی اور مقام نہ تھا۔ شرعی لحاظ سے بھی مکہ مکرمہ جائے امن تھا۔ اور سیاسی اعتبار سے یوں موزوں تھا کہ ایام حج میں پوری ملتِ مسلمہ کے افراد کو یہاں جمع ہونا تھا اور اس عظیم اجتماعِ مسلمین سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے پیغام کو زیادہ بہتر انداز میں لوگوں تک پہنچایا جا سکتا تھا چنانچہ امام حسینؑ نے ایسا کیا بھی اور اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔

سوال نمبر :

امام حسینؑ نے جب مکہ مکرمہ کو جائے امن قرار دیا تھا تو پھر بعدازاں اسے کیوں چھوڑ دیا۔ اور اگر چھوڑنا ضروری ہی تھا تو اعمالِ حج کے اختتام پر ایسا کرتے۔ کیا آپؑ کے وہاں رہنے کی صورت میں ہزاروں حاجی مسائل شرعی کے سلسلہ میں آپؑ سے مستفید نہ ہوتے ؟

آپؑ کے اس طرح سے مکہ کو چھوڑ جانے سے ان حاجیوں پر بُرے اثرات نہ پڑے ہوں گے ؟

جواب :

جیسے جیسے ایامِ حج قریب آتے گئے حالات مزید گمبھیر شکل اختیار کر گئے۔ ان حالات میں امام حسینؑ کے پاس چند ہی راستے تھے۔

(۱) آپؑ مکہ ہی میں قیام فرماتے اور مکہ میں قیام کے دوران مندرجہ ذیل دو راہوں میں سے ایک کا انتخاب کرتے :

(الف) مکہ کو مرکز قرار دیتے ہوئے یہیں سے یزید کے خلاف جنگ کا آغاز فرماتے مگر ایسا کرنے کی صورت میں مکہ میں آپؑ کے پاس انصار و اعوان کی کمی و قلت مانع تھی۔ اہل مکہ اور اسی طرح اہل مدینہ میں بھی سیاسی شعور کا فقدان تھا اور یہ افراد ایک اجتماعی بے حسی کا شکار تھے۔ خاندان اہلبیتؑ سے محبت و الفت رکھنے والوں اور بُرے وقت میں ان کی مدد کرنے والوں کی تعداد بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ امام سجادؑ

نے فرمایا :

"مکہ و مدینہ میں بیس افراد بھی ایسے نہیں جو
ہم سے محبت رکھتے ہوں۔"

(ب) مکہ میں اپنے قیام کی مدت کو مزید طول دیتے اور آنے والے وقت کا انتظار فرماتے۔

حالات یہ بتاتے ہیں کہ بنی امیہ نے اپنے جاسوسوں اور قاتلوں کا ایک گروہ مکہ روانہ کیا تھا جو عرفات و منیٰ کے درمیان ٹیلوں میں چھپ جاتا اور موقع ملتے ہی امامؑ کو شہید کر دیتا۔ اس طرح ایک طرف تو بنی امیہ اپنے سب سے بڑے دشمن سے چھٹکارا پا جاتے اور دوسری طرف اپنے مخالفین کو قتل حسینؑ کا ذمہ دار ٹھہرا کر ان کی سرکوبی کرتے اور خود خون حسینؑ کے دعویدار بن بیٹھتے۔ چنانچہ مکہ میں مزید قیام فرمانے کی صورت میں یہ خطرہ درپیش تھا کہ سازشوں کے ذریعہ آپؑ کے خون کو ضائع کر دیا جاتا۔ اسی جانب آپؑ نے بھی توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ :

"اگر میں مکہ سے نہ نکلا تو میرا خون ضائع جائے گا۔"

(۲) امام کے پاس ایک صورت یہ تھی کہ مکہ و مدینہ کے علاوہ کسی اور مقام کی طرف نکل جائیں مگر اس صورت میں بھی اعوان و انصار کی حمایت شرط تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ حجاز یا کسی اور سرزمین میں کوئی بھی ایسا مقام نہ تھا جہاں کے لوگ امام کی نصرت و حمایت کے لیے آمادہ ہوں سوائے کوفہ کے۔ نہ ہی کسی اور جگہ کے افراد نے خطوط یا کسی اور ذریعہ سے امامؑ کو اپنی نصرت و مدد کا وعدہ دیا تھا اور نہ آپؑ کو اپنے شہر میں

آنے کی دعوت دی تھی۔

(۳) امام حسینؑ کے پاس آخری صورت بجز انتخاب کوفہ کے اور کوئی نہ تھی۔ امام حسینؑ نے کوفہ کی جانب عازم سفر ہونے کا جو ارادہ فرمایا اس کی تین وجوہات ہیں :

○ اہل کوفہ نے ۱۲۰۰۰ کی تعداد میں خطوط آپ کو روانہ کیے جن میں آپؑ کی نصرت و حمایت کے وعدوں کے ساتھ آپؑ سے یہ شدید اصرار کیا گیا تھا کہ آپ فوری طور پر کوفہ تشریف لے آئیں۔ چنانچہ اگر کوفہ کے بارے میں کوئی احتمال پایا بھی جاتا تھا تو وہ ان ۱۲۰۰۰ خطوط کی موجودگی میں کوئی اہمیت کا حامل نہ تھا کیونکہ اگر امام اس احتمال پر عمل کر کے کوفہ تشریف نہ لے جاتے تو اہل کوفہ روز محشر یہ کہنے کا حق رکھتے تھے کہ ہم نے تو امام حسینؑ کو بلایا تھا مگر آپؑ ہی تشریف نہ لائے۔

یہ درست ہے کہ اہل کوفہ بے وفائی و بے ثباتی میں مشہور تھے مگر تاریخ گواہ ہے کہ ائمہ کرامؑ کا سب سے زیادہ ساتھ بھی اہل کوفہ ہی نے دیا۔

○ دوسری جانب جناب مسلم بن عقیلؑ نے بھی کوفہ والوں کے دعووں کی توثیق فرما دی تھی۔ چنانچہ امامؑ نے نہ صرف اہل کوفہ کی فرمائشوں کی طرف نظر کی بلکہ اپنے با اعتماد بھائی کے خط آنے کے بعد یہ احتمال بالکل ختم ہو چکا تھا کہ آپؑ اب بھی کوفہ والوں کی روایتی بے وفائی کو بنیاد بنا کر وہاں

تشریف نہ لے جائیں۔ تاریخ نے بھی بعد میں یہ ثابت کیا کہ میدان کربلا میں مجاہدین امام حسینؑ میں سب سے زیادہ نمائندگی اہل کوفہ ہی کے جانثاران کی تھی۔

(۵) امامؑ چاہتے تھے کہ وہ کوفہ والوں کے ان دعووں کے بطلان کو عملی طور پر ثابت کر دکھائیں اور انھیں یہ یقین دلادیں کہ صلح امام حسنؑ کے اصل ذمہ دار خود اہل کوفہ ہیں۔ اسی لیے آپؑ نے اتمام حجت کے لیے کوفہ کا سفر اختیار فرمایا۔

جہاں تک ایام حج میں امامؑ کا مکہ کو چھوڑنے کا تعلق ہے تو اس کی دو وجوہات ہیں:

(۱) جیسا کہ اسی سوال کے جواب میں بیان کیا گیا کہ ایام حج میں اس بات کا خدشہ بڑھ گیا تھا کہ آپؑ کو قتل کر دیا جائے گا اور اس قتل کو ایک حادثہ کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ چنانچہ یہ ایک سبب تھا جس کی بنا پر آپؑ نے ایام حج میں مکہ سے رخت سفر باندھا۔

(۲) امامؑ پر یہ حج واجب نہ تھا اس لیے حج کو چھوڑ دینا آپؑ کے لیے مانع نہ تھا۔ مگر دوسری طرف جبکہ عالم اسلام سے آئے ہوئے فرزندان توحید مکہ مکرمہ میں جمع تھے مکہ سے آپ کے خروج نے ان کے اذہان کو جھنجھوڑ ڈالا اور لوگ امام حسینؑ کے قیام کے مقاصد کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ آپ کے اس فعل نے بنی امیہ کے تمام تر ظاہری احترام و تقدس کو لوگوں کی نظروں میں مشتبہ کر دیا اور ان کی ایک

اور سازش کو ناکام بنادیا۔

سوال نمبر ۸:

جناب مسلم بن عقیلؑ نے کوفہ پہنچ کر حالات کا جائزہ لینے کے بعد امام حسینؑ کو ایک خط تحریر کیا جس کے نتیجہ میں آپ کوفہ کی جانب روانہ ہوگئے۔

کیا جناب مسلم بن عقیلؑ نے کہ جنھیں امامؑ نے اپنا با اعتماد و با اعتبار جانا (نعوذ باللہ) سستی و نا اہلی کا ثبوت نہ دیا۔؟

جناب مسلمؑ کو چاہیے تھا کہ کوفہ پہنچتے ہی دارالامارہ کو خالی کرواتے اور سرحدوں پر محافظین متعین کر دیتے۔

کیا یہ آپ کی کوتاہی تصور نہیں کی جا سکتی کہ عبیداللہ ابن زیاد کوفہ وارد ہوا اور انقلاب کا رخ موڑ دیا۔

ابن زیاد کے کوفہ ورود کے بعد بھی جناب مسلمؑ کو جناب ہانی کے گھر میں ابن زیاد کو قتل کرنے کا بہترین موقع بھی ملا مگر آپ نے اس سے بھی گریز کیا اور نتیجۃً تنہا اپنی شہادت نہیں بلکہ اپنے آقا و مولا کی شہادت کے اسباب بہم پہنچائے۔ ؟

جواب:

جناب مسلم بن عقیلؑ نے کوفہ پہنچ کر جو جو افعال انجام دیے وہ امام حسینؑ کی ہدایات کے عین مطابق تھے۔

امام حسینؑ نے آپؑ کو کوفہ اس لیے بھیجا تھا تاکہ آپؑ اہل کوفہ کے حالات کا قریب سے مطالعہ فرماتے اور پھر ان حالات سے امامؑ کو مطلع فرماتے۔

چنانچہ آپؑ نے وہی فریضہ انجام دیا جس کے لیے آپؑ کو مامور کیا گیا تھا۔

آپؑ نے کوفہ ورود کے فوراً بعد ہی اہلِ کوفہ کے حالات کا بغور جائزہ لینا شروع کیا۔ ساتھ ساتھ لوگوں کو منظم کیا اور ان کو امام حسینؑ کی نصرت وحمایت پر آمادہ وتیار کیا۔ مستقبل قریب میں چلائی جانے والی تحریک کی تیاریاں شروع کر دیں جس میں اسلحہ کی جمع آوری اور مالیات کے نظام کو منظم کرنا شامل ہے۔ آپؑ نے جناب مسلم بن عوسجہ کو مسئول مالیات مقرر فرمایا۔

کیونکہ امامؑ نے کسی قسم کے جنگ وجدال کا آغاز کرنے کا حکم نہ دیا تھا اس لیے آپؑ نے جنگ وجدال سے حتی الامکان تعرض کیا۔

دوسری جانب نعمان بن بشیر والی کوفہ بھی آپؑ کے امور میں معترض ومانع نہ تھا لہٰذا اگر جناب مسلم اسے اسیر کر لیتے تو یہ ایک غیر مناسب اور غیر اخلاقی فعل گردانا جاتا۔

اسی طرح جب آپؑ کو ابن زیاد کے قتل کا مشورہ دیا گیا تو آپ نے اس سے تعرض کیا کیونکہ دشمن کو بے خبری کی حالت میں مار دینا مردانِ حق کا شیوہ نہیں ہوا کرتا۔

جہاں تک اس اعتراض کا تعلق ہے کہ جناب مسلم نے سرحدوں پر محافظین کیوں نہ متعین فرمائے۔ اس کے جواب میں ہمارا موقف یہ ہے کہ اولاً تو یہ اہل کوفہ کی ذمہ داری تھی جنھوں نے خطوط میں تمام تر حفاظتی انتظامات کرنے کا وعدہ کیا اور دوئم یہ کہنا غلط ہے کہ سرحدوں پر کسی قسم کی روک تھام نہ تھی خود ابن زیاد کا بھیس بدل کر اپنے آپ کو امام حسینؑ ظاہر کر کے حجاز کی جانب سے کوفہ میں داخل ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ سرحدوں پہ کڑی نگرانی کی جا رہی تھی۔ اسی کڑی نگرانی کے بعد بھی ابن زیادہ کا کوفہ میں داخل ہو جانا

اس پہ بھی باعث حیرت نہیں کہ کئی اصحاب حسینؑ بھی ابن زیاد کے سخت حفاظتی اقدامات کے باوجود کوفہ سے نکلنے اور امامؑ سے جاملنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

سوال نمبر ۹ :

جناب مسلم بن عقیلؑ کی خبر شہادت کے بعد جبکہ کوفہ والوں پر کسی قسم کا اعتماد بھروسہ باقی نہ رہ گیا تھا اور کوفہ سے آنے والی متعدد بالبصیرت شخصیات نے بھی امام حسینؑ کو کوفہ کے حالات سے باخبر کیا۔ اس کے باوجود امامؑ نے کوفہ کی جانب اپنے سفر کو جاری رکھا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب :

کوفہ کی جانب امام کا سفر جاری رکھنا مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر تھا :

(۱) —— وہ تمام تر مسائل و معذورات جو مکہ مکرمہ میں امامؑ کو درپیش تھے (جن کا ذکر ترک مکہ کے سلسلہ میں کیا گیا ہے) اب بھی امامؑ کے پیش نظر ہیں۔ اب ایسی صورت حال میں سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ امام اپنے اس سفر کو جاری رکھیں کیونکہ بیعت کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۲) —— کوفہ سے آنے والے تمام اصحاب نے اپنے بیان میں یہ کہا کہ اہل کوفہ کے دل امامؑ کے ساتھ ہیں اور تلواریں بنی امیہ کے ساتھ۔ چنانچہ ابھی بھی یہ احتمال موجود ہے کہ اگر امام کسی نہ کسی طریقہ سے کوفہ پہنچ جائیں اور اہل کوفہ اپنے آقا و مولا کو اپنے درمیان پائیں تو بنی امیہ

کی حمایت سے باز آجائیں اور حلقہ بگوشان امامؑ میں داخل ہوجائیں۔

(۴) جناب مسلم بن عقیلؑ خاندان بنی ہاشم کی معزز و مقتدر شخصیت ہیں۔ آپ کو جس بے دردی سے شہید کیا گیا اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس قتل پر خاموشی جائز نہیں — شریعت و عقل دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ اس خون کا بدلہ لیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ جب لوگوں نے امام حسینؑ کو کوفہ جانے سے روکا تو آپؑ نے اولاد مسلم کی جانب دیکھنے کے بعد فرمایا:

"مسلمؑ کے قتل کے بعد حیات کی کوئی قیمت نہیں۔ جس راہ کو مسلمؑ نے اپنایا اسی راہ کو ہمیں بھی اپنانا ہوگا۔"

سوال نمبر۱ :

امام حسینؑ نے اپنی تحریک کے دوران جہاں لوگوں کو اپنی نصرت کے لیے بلایا وہاں دوسری طرف لوگوں کو واپس جانے کے لیے بھی کہا۔ خصوصاً شب عاشورا اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم سب چلے جاؤ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امامؑ نے ایسا کیوں کہا۔ ؟

جواب :

امام حسینؑ کے یہ بظاہر دو مختلف و متضاد بیانات ہمارے نزدیک

بیان کردہ تفسیر قیام عاشورا پر ایک واضح و روشن دلیل ہے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا مدینہ سے نکلتے وقت امام حسینؑ فقط ایک ہدف نہ رکھتے تھے۔ بلکہ ہدف اولی کے ساتھ ساتھ ایک ہدف متبادل بھی آپؑ کے پروگرام میں شامل تھا۔ جس کو پہلا ہدف ناکام ہونے کی صورت میں رو بہ عمل ہونا تھا۔

امام حسینؑ کا ہدف اولین یہ تھا کہ اصلاح قیادت کے ذریعے اصلاح امت کریں۔ اور خلافت و حکومت کے منصب کو غاصب بنی امیہ کے ہاتھوں سے نجات دلائیں اور اس طرح امت کو حکام ظلم وجور کے مظالم سے چھٹکارا نصیب ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپؑ کے تمام تر بیانات و کلمات اسی ہدف کی طرف نشاندہی کرتے رہے اس ہدف کے لیے آپ کو انصار و اعوان کی ضرورت تھی۔ چنانچہ آپ لوگوں کو دعوت دیتے رہے۔

اب یہ امت کا فریضہ و وظیفہ تھا کہ وہ امامؑ کے اس ہدف میں ان کی مدد و نصرت کرے۔ لہٰذا یہ امت کی ناکامی تھی نہ کہ امام حسینؑ کی کہ ایک انقلاب سیاسی برپا نہ ہوسکا۔

جب امامؑ کا یہ ہدف اولی کامیاب نہ ہوسکا تو امام نے دو مقامات پر لوگوں کو واپس جانے کے لیے کہا۔

○ ——— ایک اس وقت جب شہادتِ مسلمؑ کی خبر آپؑ تک پہنچی آپؑ نے تمام اصحاب کو ان حالات سے مطلع فرمایا اور حقیقت حال لوگوں پر واضح کردی۔ چنانچہ امامؑ کے ہمراہ جانے والے بہت سے افراد اسی وقت آپ سے جدا ہوگئے۔ یہ وہ لوگ تھے جو مال و منال کی توقع پر امامؑ کے ساتھ ہو لیے تھے۔

○ ———— دوسری دفعہ آپؑ نے شبِ عاشورا اپنے بچے کھچے اصحاب کو جمع فرمایا اور ان سے مخاطب ہوئے:

"یہ قوم تنہا میرے خون کی پیاسی ہے تم اپنے آپ کو اور اپنے خون کو نہ بہاؤ۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ یہاں سے نکل جاؤ اور چاہو تو میرے اہلبیتؑ میں سے ایک ایک فرد کو بھی اپنے ہمراہ لے جاؤ۔" [۱۵۲]

ان دونوں مقامات پر امامؑ کا اپنے اصحاب کو واپس چلے جانے کا مشورہ دینا مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر تھا:

○ امامؑ چاہتے تھے کہ تمام تر حقائق کھول کر اپنے اصحاب کے سامنے بیان کر دیں تاکہ مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات ان کے لیے غیر متوقع و اچانک نہ ہوں۔ بلکہ وہ پہلے ہی سے ہر قسم کے حالاتؒ و واقعات کے لیے اپنے آپ کو آمادہ و تیار کر لیں کیونکہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں اگر کوئی غیر متوقع مصیبت ان پر وارد ہوتی تو ممکن تھا ان میں سے بعض تو راہِ فرار اختیار کرتے اور بعض ضعف و کمزوری کا بہانہ کرتے۔ یہ دونوں باتیں ایک مدبر و باتدبیر قائد کی معنویت میں نقص کے مترادف ہیں۔

کسی بھی قائد و رہبر کے انصار و اعوان کا قلیل تعداد میں ہونا قیادت کے لیے باعث عیب نہیں بلکہ اگر قائد و رہبر کے ساتھ بے تحاشا افراد ہوں مگر وقت پڑنے پر اس کا ساتھ چھوڑ دیں تو یہ صورت قائد کے لئے غیر مناسب ہے۔

- امام اس خطبے کے ذریعے چاہتے ہیں کہ اب قلیل تعداد میں جو اصحاب بچ گئے ہیں وہ اپنے ارادوں میں مزید استحکام پیدا کرلیں تاکہ وہ کسی قسم کی خوش فہمی میں نہ رہیں اور اپنے آپ کو شہادت کے لیے آمادہ و تیار کرلیں۔
- امام اپنے ان بیانات میں چاہتے ہیں کہ اگر آخر وقت میں بھی کوئی ایسا شخص رہ گیا ہے جو ارادہ میں ضعف پاتا ہے تو وہ بھی نہ رہے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ شب عاشور امام کے خطاب کے بعد تمام اصحاب کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ پڑی اور یہی وہ مخلص و باتقویٰ مجاہدین تھے کہ جنہوں نے روز عاشور استقلال و استقامت کا مظاہرہ کیا۔

قیام حسینؑ قلب اسلام سے اٹھنے والی اس تحریک کا نام ہے جس کا ہر ہر پہلو ہر ہر اسلوب خدائی اور الٰہی ہے۔

تمام انبیاء کرامؑ و ائمہ کرامؑ کی تحاریک اور دیگر دنیاوی تحاریک میں واضح فرق ان کا جداگانہ اسلوب و طریقہ ہے۔ ان اسلامی و الٰہی تحاریک میں جھوٹے وعدے، مستقبل کے سہانے خواب، امت کو دھوکے میں رکھنا، حقائق سے پردہ پوشی نام کی کوئی شے وجود نہیں رکھتی۔ تمام انبیاء کرامؑ و ائمہ کرامؑ نے اپنی تحاریک کی کامیابی کے لیے ان مکروہ اعمال کا سہارا لینے سے ہمیشہ گریز فرمایا۔

جناب ابراہیمؑ نے جب خواب میں دیکھا کہ آپؑ اپنے عزیز فرزند کو ذبح کر رہے ہیں تو آپؑ نے اپنے بیٹے کے سامنے خواب کا سارا حال بیان فرمادیا۔ بیٹے کی رضا معلوم کی اور یہ جناب اسمٰعیلؑ پر چھوڑ دیا کہ وہ خود فیصلہ کریں کہ اس عمل کو انجام دیا جائے یا نہیں۔

ائمہ کرام علیہم السلام کی یہی کوشش رہی کہ خود امت کے افراد فہم و شعور کے مدارج طے کر کے حکومت و ولایت مسلمین کو غاصبین سے نجات دلائیں۔ اسی لیے ائمہ کرامؑ نے کبھی ولایت و حکومت کے حصول کے لیے کسی اور راہ کا انتخاب نہ فرمایا

امام حسینؑ حامل وحی و الہام نے بھی اسی اصول کو ہمیشہ اپنائے رکھا۔ اپنی تحریک قیام کے کسی مرحلہ پر بھی اپنے انصار و اعوان کو کسی بھی قسم کے دھوکے اور غلط فہمی میں نہ رکھا۔ وقتاً فوقتاً اپنے آئندہ پروگرام سے آگاہ فرماتے رہے تاکہ کوئی بھی فرد کسی بھی قسم کی غلط فہمی کا شکار نہ رہے۔

چنانچہ دور حاضر میں کام کرنے والی تحاریکِ خطِ حسینی کو بھی چاہیے کہ اپنی تہضت کے دوران کسی بھی قسم کے اوچھے ہتھکنڈوں سے پرہیز کریں۔ اگرچہ ان میں ظاہری اور وقتی فائدہ ہی کیوں نہ نظر آتا ہو۔

اسلامی دعوت کے اسلوب دخط کی ابتدا انسانی فہم و شعور پر استوار ہے اور اس کی انتہا شوق و رغبت ہے۔

چنانچہ جب جناب زینبؑ نے شبِ عاشورا امام حسینؑ سے آپؑ کے اصحاب کے بارے میں استفسار کیا تو آپؑ نے فرمایا:

"میرے اصحاب میری رکاب میں شہید ہونے کا اس قدر شوق رکھتے ہیں جس قدر ایک بچہ اپنی ماں کے دودھ سے رغبت رکھتا ہے۔"

سوال نمبر ۱۱:

قانون فدا کی روشنی میں ایک ادنیٰ شے اپنے سے اعلیٰ شے پر قربان و فدا ہو جاتی ہے۔ نباتات حیوانات کے لیے اور حیوانات اپنے سے افضل مخلوق انسان کے لیے ہزاروں کی تعداد میں قربان ہو جاتے ہیں۔

اگر دین اس شے کا نام ہے کہ جو انسان کی بھلائی اور فائدے کے لیے ہو تو یہ انسان سے اعلیٰ وارفع شے تو نہ ہوئی۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ سرورِ انسانیت جو تمام انسانوں میں سب سے زیادہ فضیلت و منزلت کے حامل ہیں ایک ایسی چیز پر فدا ہو جائیں جو کسی ایک عام انسان سے بھی ادنیٰ ہے۔

جواب :

دین دراصل انسان کی سعادت کے لیے نازل ہوا۔ ایک باسعادت آدمی ایک بے سعادت آدمی سے کہیں زیادہ بافضیلت و بامنزلت ہے۔ چنانچہ سعادتِ انسانی وہ شے ہے جو انسان کی قدر و قیمت کا تعین کرتی ہے جہاں سعادت انسانی خطرے میں ہو اور ایک انسان کے سامنے دو ہی راستے ہوں کہ یا تو ایک بے سعادت زندگی بسر کرے یا اپنی زندگی کو فنا کر کے ہمیشہ کے لیے انسانیت کو سعادت و شرافت سے نواز دے تو ایسی موت کہیں زیادہ افضل و اشرف ہے۔

کسی انسان کا سعادت کے حصول میں اپنی قربانی کا پیش کرنا اس قانون خدا کے عین مطابق ہے۔ مگر سعادت انسانی کا حصول بجز دین کے ممکن نہیں اس طرح دین انسان کے لیے ہے اور انسان سعادت کے لیے۔ اور سعادت کا حصول دین کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ چنانچہ امام حسینؑ کی قربانی ہر طور سے قانون خدا کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ آپ نے اس قربانی کے ذریعہ انسانیتؑ بشریت کی سعادت کا بندوبست فرمایا۔

رہتی دنیا تک انسانی سعادت و شرافت حسینؑ ہی کی مرہون منت رہے گی۔ دینِ محمدیؐ کی بقا کا تمام تر سہرا بھی امام حسینؑ کے سر ہے۔ چنانچہ علما نے کہا:

"دین اسلام محمدؐ کے واسطے سے وجود میں آیا اور حسینؑ کے واسطے سے بقا پا گیا۔"

دنیا کے سعادت و شرافت پسند انسان اگر یہ کہیں کہ حسینؑ ہمارے ہیں تو وہ اسی لیے کہ انسانی شرافت حسینؑ ہی کی ذات کے مرہونِ منت ہے۔

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

سوال نمبر ۱۲:

ہزاروں کے لشکر سے چند افراد کا مقابلہ کرنا سراسر اپنے آپ کو موت کے منہ میں دینے کے مترادف ہے۔ کیا امام حسینؑ نے مختصر سی جمعیت کے ساتھ ہزاروں کے لشکر کا مقابلہ کر کے (نعوذ باللہ) خود کو اور اپنے انصاران کو ایک حتمی موت سے دوچار نہ کیا؟ اور ساتھ دشمن کو یہ موقع بھی فراہم کیا کہ وہ آپؑ کے اہل و عیال کو اسیر کریں اور بازاروں اور کوچوں میں سرگرداں پھرائیں۔ جبکہ عصر امام حسینؑ کی جامعہ شناس و معاشرہ شناس ہستیوں نے آپؑ کو ان واقعات سے پہلے ہی مطلع کر دیا تھا۔ اسی لیے ابن عربی قیام حسینؑ کی تفسیر کرتے ہوئے کہتا ہے:

"حسینؑ اپنے جد کی تلوار سے قتل ہوئے۔"

کیونکہ رسولؐ سے منسوب ایک جعلی حدیث کے مطابق۔

"جو شخص حکومت وقت کے خلاف بغاوت کرے گا ہلاکت سے دوچار ہو گا۔"

اوپر بیان کردہ اعتراض کرنے والے افراد اپنے مدعا کی دلیل میں سورۃ بقرہ کی ایک آیت پیش کرتے ہیں جس میں ارشاد خداوندی ہے:

"اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے"

(البقرہ آیت ۱۹۵)

یہ معترضین آیت کے درمیانی حصہ "........ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو ......" سے استدلال کرتے ہوئے اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ہلاکت سے مراد ہر وہ مشقت کا کام ہے جو انسان کو ایک ناقابل تلافی نقصان و ضرر سے دوچار کردے چاہے اس ضرر کی صورت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔

جواب :

(۱) آیات قرآنی سے استدلال کرنے والے افراد سے ہماری یہ استدعا ہے کہ جب بھی وہ کسی آیت سے اپنے موقف پر دلیل قائم کر رہے ہوں تو آیت کے سیاق و سباق اور پوری آیت کے مضمون سے صرف نظر نہ کیا کریں۔ کیونکہ اس طرح آیت کے مفہوم میں بے اندازہ تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا اعتراض کرنے والے افراد نے اپنے موقف کے استدلال میں جو آیۂ کریمہ پیش کی ہے اگر اس کے سیاق و سباق اور مضمون پر نظر کی جائے تو بآسانی اعتراض کرنے والوں کے ادعا میں واضح جھول اور نقص محسوس ہو جائے گا۔

بیان کردہ آیۂ کریمہ جنگ سے متعلق ہے آیت سے پہلے کا حصہ بھی جنگ سے مربوط ہے۔

"تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔

اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں
تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی
روا نہیں۔ ماہِ حرام کا بدلہ ماہِ حرام ہی ہے اور تمام
حرمتوں کا لحاظ برابری کے ساتھ ہوگا۔ لہٰذا جو تم
پہ دست درازی کرے تم بھی اس پہ دست درازی
کرو البتہ اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان رکھو کہ اللہ
انھیں لوگوں کے ساتھ ہے جو اس کی حدود توڑنے
سے پرہیز کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور
اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو....."

(البقرۃ آیت ۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵)

چنانچہ یہ آیت واضح طور پہ جہاد کی ترغیب دے رہی ہے۔ ضرر سے بچاؤ کا شرعی حکم اس مقام پہ نافذ العمل نہیں۔ اس حکم کا اپنا ایک دائرۂ عمل ہے جس میں اس کی پابندی ایک بندۂ مسلمان کے لیے لازم و ضروری ہے۔ زکوٰۃ و خمس جن میں بظاہر مالی ضرر موجود ہے اور اسی طرح جہاد جس میں جان کے جانے کا خطرہ ہے اس حکم نفیِ ضرر کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

اس آیۂ مبارکہ کی رو سے ہلاکت تو یہ ہے کہ ایک بندۂ مومن اپنی جان کے خوف کی وجہ سے جہاد سے دوری اختیار کرے۔ اسلام میں ترکِ جہاد بذاتِ خود ایک ضرر و نقص ہے۔ نہج البلاغہ میں جناب امیرؑ سے منسوب ایسے کئی خطبات موجود ہیں جن میں آپؑ نے ترکِ جہاد کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے

"جس نے جہاد کو چھوڑا خدا اس کو ذلت کا لباس
پہنائے گا۔"

"جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ
ہے جسے اللہ نے اپنے خاص دوستوں کے لیے
کھولا ہے۔ یہ پرہیزگاری کا لباس، اللہ کی محکم زرہ
اور مضبوط سپر ہے۔ جو اس سے پہلو بچاتے ہوئے
اسے چھوڑ دیتا ہے۔ خدا اسے ذلت وخواری کا لباس
پہنا اور مصیبت وابتلا کی ردا اوڑھا دیتا ہے اور
ذلتوں اور خواریوں کے ساتھ ٹھکرا دیا جاتا ہے اور
مدہوشی اور غفلت کا پردہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے
اور جہاد کو ضائع وبرباد کرنے سے حق اس کے ہاتھ
سے لے لیا جاتا ہے۔ ذلت اسے سہنا پڑتی ہے
اور انصاف اس سے روک لیا جاتا ہے۔ میں نے
اس قوم سے لڑنے کے لیے رات بھی اور دن بھی
اعلانیہ بھی اور پوشیدہ بھی تمہیں پکارا اور للکارا۔
اور تم سے کہا کہ قبل اس کے کہ وہ جنگ کے لیے
بڑھیں تم ان پر دھاوا بول دو۔" ۵۷؎

○ شریعت میں جہاں نفس کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع کیا گیا ہے
وہاں قطعاً یہ مراد نہیں کہ ظلم واستبداد کے خلاف مزاحمت ترک
کر دی جائے۔ اگرچہ کہ یہ مزاحمت قیام مسلحانہ نہ ہو یا جنگ کے
عزائم بھی نہ ہوں۔ امام حسینؑ سے پہلے تمام تر انبیاء کرام نے ظاہری

طاقت و توانائی کے نہ ہوتے ہوئے بھی قوت و اقتدار کے منابع پر قابض سلاطین ظلم و جور کے خلاف آواز حق بلند کی اور ہر ممکن طریقے سے ان کا مقابلہ کیا۔

دوسری طرف اگر انصار و اعوان کی قلت و کمی کے باوجود جنگ جاری رکھنا نفس کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے تو یہ اعتراض سیرت امام حسینؑ سے واقفیت نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ ہم نے اسی کتاب میں ایک مقام پر اسی موضوع پر تفصیل بحث کی ہے۔

(۳) اگر دین و مقدسات دین خطرے میں ہوں اور جان و مال کے ضرر کے بغیر ان کی بقا ممکن نہ ہو تو ضروری ہو جاتا ہے کہ جان و مال کی پرواہ نہ کی جائے اگر ایسی صورت حال میں بھی جان کے تحفظ کی فکر کی جائے تو یہ فکر سراسر باطل و منافی اسلام و فطرت ہے۔

سوال نمبر ۱۳:

تاریخ اسلام و علماء اسلام کے اقوال بتاتے ہیں کہ یزید کی بیعت کر لینا امام حسینؑ کے لیے ایک ناممکن و ناقابل قبول فعل تھا۔ اگر اس قسم کی ذرا سی بھی گنجائش پائی جاتی تو ممکن تھا کہ امام حسینؑ بر مثل صلح امام حسنؑ حاکم وقت یزید سے صلح کر لیتے۔

کیا مذکورہ بیانات کی روشنی میں یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ امام حسنؑ کا معاوؔ سے صلح کرنا اور امام حسین علیہ السلام کا یزید سے جنگ کرنا ثابت کرتا ہے کہ معاویہ یزید سے بہتر تھا۔

دوسری جانب معاویہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں اہلسنت کے مشہور عالم دین حسن بصری لکھتے ہیں کہ معاویہ میں چار خصلتیں موجود تھیں۔ اگر ان میں سے صرف ایک صفت و خصلت بھی معاویہ میں موجود ہوتی تو اس کی برائی کے لیے بہت کافی تھی۔

حسن بصری معاویہ کی ان صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) — نااہل و نالائق افراد کو اس امت پر مسلط کرنا۔

(۲) — یزید جیسے فاسق و فاجر اور شرابی شخص کو اپنا ولی عہد بنانا۔

(۳) — حدیث رسولؐ کی صریح مخالفت کرتے ہوئے زیاد بن ابی جو رومی غلام کا بیٹا تھا اسے ابوسفیان کی طرف نسبت دینا۔

(۴) — حجر بن عدی مقتدر صحابئ رسولؐ کو شہید کرانا۔

اس کے علاوہ معاویہ کے جرائم یہ بھی ہیں:

○ — جمعہ کے خطبات میں حضرت علیؑ پر سب و شتم کروانا۔

○ — جمعہ کی نماز بدھ کے روز پڑھانا۔

○ — چالیس متواتر جمعوں میں پیغمبر اکرمؐ پر درود و سلام نہ بھیجنا اور جب کسی نے اس کے بارے میں اس سے سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ اس سے کچھ افراد کو فائدہ پہنچتا ہے جو مجھے مانع ہے۔ یہ کہنے کے بعد اس نے پیغمبرؐ سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے فرزند عبداللہ! آپ بڑی ہمت والے تھے۔ آپؐ نے اپنی ذات کے لیے کسی قسم کی عزت و احترام پر قناعت نہیں فرمائی۔ حتیٰ کہ اپنے نام کو رب العالمین

کے نام سے قرین کیا۔" (نعوذ باللہ) [۶۸]

○ —— مغیرہ بن شعبہ نے جب معاویہ کو نصیحت کی کہ اب تو تمھاری حکومت مستحکم ہوگئی ہے چنانچہ عدل و انصاف کو اپنا شیوہ بناؤ۔ اس پر اس شخص (معاویہ) نے پیغمبر اکرمؐ کا نام لے کر دو دفعہ یہ کہا کہ میں اس نام کو دفن کردوں گا۔" [۶۹]

چنانچہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے بدباطن، فاسق و فاجر شخص کے خلاف امام حسینؑ نے اس کے آخری دس سالہ دورِ اقتدار میں قیام کیوں نہ فرمایا؟

جواب:

کسی بھی اسلامی تحریک و قیام کے اجراء کے لیے ضروری ہے کہ اس تحریک کے محرکین کی نتائج پر گہری نظر ہو۔ اگر نتائج یقینی طور پر اسلام و مسلمین کے مفاد میں نہ جاتے ہوں تو پھر یہ قیام شرعاً وعقلاً درست نہیں۔ صدرِ اسلام سے لے کر دورِ حاضر تک داعیانِ اسلام نے ہمیشہ اس حقیقت کو مدنظر رکھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انھوں نے اپنی جانوں کا بخل کیا بلکہ انھوں نے ہمیشہ موت کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کی مگر ساتھ ہی ساتھ کوئی غیر عاقلانہ و غیر دانشمندانہ اقدام بھی نہ کیا۔ وہ جب اسلام و مسلمین کے مفاد میں دیکھتے تو آگے بڑھ کر قیام کرتے یا تو فتح مند ہوتے یا بظاہر شکست کھا کر شہادت کو گلے لگا لیتے۔ اور اگر قیام کی صورت میں مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو رہے ہوتے تو تحریک کو مزید کچھ عرصہ کے لیے ملتوی کر دیتے اور آئندہ کے لیے زمینہ سازی میں مصروف ہو جاتے۔

کسی تحریک کی کامیابی و ناکامی کا دارومدار مندرجہ ذیل عوامل میں مضمر ہے:

○ —— افرادِ امت کی فکری نہج۔

○ —— افرادِ امت میں حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت۔
○ —— حکام کے مکر و فریب ، حیلہ جو ہتھکنڈوں کے مقابلہ میں تحریک کی قوت مدافعت۔
○ —— تحریک کی اپنی قدرت تدبیر و سیاست۔

معاویہ سے مقابلہ کی صورت میں ان تمام تر عوامل کو نظر انداز کرنا ممکن نہ تھا معاویہ کے خلاف قیام کرنے سے پہلے امت کی نفسیات خود معاویہ کی شخصیت اور اس کے مکر و فریب کے ہتھکنڈوں سے واقفیت ضروری تھی۔

معاویہ کی شخصیت وہ ہے کہ جس نے جنگ صفین میں جناب عمار یاسر کی شہادت کا ذمہ دار حضرت علیؑ کو ٹھہرا دیا۔ جب اہل شام نے لشکر امیر المومنینؑ میں جناب عمار یاسرؓ کو دیکھا تو اپنا اسلحہ زمین پر رکھ دیا۔ اور معاویہ سے مخاطب ہوئے :

"ہم نے رسولؐ سے سنا ہے کہ عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا"

اس پر معاویہ بولا :

"عمار کا قاتل دراصل وہ ہے جو اسے میدان جنگ میں لے کر آیا نہ کہ ہم"

اس طرح الفاظ کے ہیر پھیر سے اس نے اہل شام کو بے وقوف بنایا اور انھیں جنگ پر آمادہ کر لیا۔

معاویہ کے مکر کی ایک اور مثال جنگ صفین میں یقینی شکست سے بچنے کے لیے قرآن کو نیزوں پر بلند کرانا ہے یقیناً یہ اس کے مکار ذہن کا کمال ہی تھا جس نے جناب امیر المومنینؑ کے لشکر کو فتح کے قریب انتشار و افتراق کا شکار کر دیا۔

یہ معاویہ ہی تھا جس نے جناب امام حسنؑ کی چالیس ہزار سے زائد فوج کو رشوت دھونس دھمکی کے ذریعے انتشار کا شکار کر دیا اور خود امام حسنؑ کو صلح کی پیش کش کر دی

تاکہ اگر امام حسنؑ اب بھی جنگ پر اصرار کریں تو جارح قرار پائیں۔

معاویہ کے پاس جناب امام حسنؑ سے کیا گیا صلح نامہ موجود تھا جس کی رُو سے معاویہ اپنی موت تک سلطنت و حکومت پر قابض رہ سکتا تھا۔ چنانچہ اگر معاویہ عثمان کی خون آلود قمیض کو دکھا دکھا کر لوگوں کو حضرت علیؑ کے خلاف آمادۂ جنگ کر سکتا تھا تو کیا اس صلحنامہ کے ہوتے ہوئے اس کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ اپنے مکر و فریب کے ذریعے امام حسینؑ کی تحریک کو بھی غیر موثر بنا دے؟

لہٰذا معاویہ کی پر فریب شخصیت اور امت میں شعور کا فقدان ہی وہ عوامل تھے جنھوں نے امام حسینؑ کو معاویہ کے خلاف قیام سے باز رکھا کیونکہ امامؑ دیکھ رہے تھے کہ ایسے حالات میں قیام کرنا کسی بھی طور فائدہ مند و سود مند ثابت نہیں ہو سکتا۔ ورنہ تاریخ گواہ ہے کہ امام حسینؑ نے معاویہ کے خلاف جہاد کو واجب و ضروری گردانا اور ترکِ جہاد کو ایک گناہ تصور کیا۔

سوال نمبر ۱۴:

شب عاشور امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو جمع فرمایا۔ ان کی وفاداری و خوبیوں کی تعریف فرمائی اور اس کے بعد ان سے فرمایا:

> "میں تمھارے سروں سے اپنی بیعت کا بوجھ اٹھاتا ہوں تم میری بیعت سے آزاد ہو۔ رات کی اس تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں سے نکل جاؤ۔ اور اگر ہو سکے تو میرے اہلبیت میں سے ایک ایک فرد کو اپنے ہمراہ لے جاؤ۔"

امام کے اس خطاب کی روشنی میں دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

○ کتاب کنز العمال ج ۱ صفحہ ۱۰۳ میں رسول اکرمؐ سے مروی ہے

"جو شخص مرے اور اس کی گردن پر کوئی بیعت
نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

امام حسینؑ اپنے اصحاب کے سروں سے اپنی بیعت کا بوجھ اٹھا رہے ہیں کیا اس طرح امام حسینؑ اپنے اصحاب کو جاہلیت اور شرک کی موت مرنے کی دعوت نہیں دے رہے ؟

○ امام معصومؑ کا ہر حکم ماموین اور تابعین پر واجب الطاعت ہے اگر امام بندۂ مومن کو بیٹھنے کا حکم دے تو اس کے لیے واجب ہے کہ وہ بیٹھ جائے۔ کھڑے ہونے کا حکم دے تو کھڑا ہو جائے چنانچہ جب امام حسینؑ نے اصحاب کو چلے جانے کا حکم دیا تو پھر ان اصحاب کو چاہیے تھا کہ وہ حکم امام کی بجا آوری کرتے ہوئے وہاں سے چلے جاتے جبکہ انھوں نے ایسا نہیں کیا اس کی کیا وجہ ہے ؟

جواب :

○ — جہاں تک بیان کردہ حدیث کی صحت کا تعلق ہے۔ ہمارے نزدیک وہ مشکوک ہے کیونکہ اس میں امام عادل کی بیعت کا ذکر نہیں بلکہ بیعت عام کا ذکر ہے جو کسی ظالم و جابر کی بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ یہاں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حکام جور نے اپنے مخالفین کی مخالفت کو توڑنے کے لیے اس اور اس جیسی دوسری احادیث کو جعل کیا ہے۔

○ — امامؑ نے اپنے اصحاب کے سروں سے جس بیعت کے اٹھانے کا ذکر فرمایا ہے وہ بیعت ، "بیعت جہاد" تھی جس کا مقصد حکومت

اسلامی کا قیام کرنا تھا۔ شب عاشور جب حکومت الٰہی کے قیام کی تمامتر راہیں مسدود ہوگئیں تو یہ تصور خود بخود ختم ہوگیا۔ چنانچہ اب عاشور کی جنگ میں کثرت شہداء کی ضرورت نہ تھی۔

○ — امام نے جس بیعت کے اٹھانے کا ذکر فرمایا وہ بیعت "بیعت امامت" نہ تھی جو آپؑ کو امام ماننے کے لیے کی گئی ہو۔ امام معصومؑ کے ہاتھوں پر بیعت سے مراد وہ بیعت ہے جس میں بیعت کرنے والا امامؑ کی رہبری و قیادت کو تسلیم کرنے کے لیے اپنا ہاتھ امامؑ کے ہاتھوں میں دے دے۔ چنانچہ ایک ایسے وقت کہ جب رہبری و قیادت کا کوئی موقع نہ رہ گیا ہو مومنین کے لیے ایسی بیعت میں رہنا یا نہ رہنا دونوں برابر ہیں۔

مصادر وحوالہ جات

1. حیاتِ امام حسینؑ جلد دوم صفحہ ۲۳۷ از باقر شریف قرشی۔
2. حیاتِ امام حسینؑ جلد دوم صفحہ ۲۴۵ از باقر شریف قرشی نقل از فتوح جلد پنجم صفحہ ۴۔
3. حیاتِ امام حسینؑ از باقر شریف قرشی صفحہ ۳۵۳ نقل از تاریخ ابن اثیر۔
4. مع الحسینؑ فی نہضتہ صفحہ ۳۸ از اسد حیدر نقل از انساب الاشراف
5. مع الحسینؑ فی نہضتہ صفحہ ۳۹ از اسد حیدر نقل از انساب الاشراف
6. مع الحسین فی نہضتہ صفحہ ۳۹ از اسد حیدر نقل از البلاذری
7. شہیدِ انسانیت (قیاسی استدلال)
8. معالی السبطین جلد دوم صفحہ ۴۲۳ نقل از کتاب تمقام۔
9. شمر ابن ذی الجوشن کی گھڑی ہوئی حدیث نقل از حسین شناسی از

محمد یزدی ۔ یہی حدیث ایک اور جگہ سنان ابن انس سے مروی ہے جو کہ قاتلانِ امام حسینؑ میں سے ہے ۔ (معالی السبطین جلد دوم)

۱۰ مقتل خوارزمی صفحہ ۱۸ جلد اول ۔ مقتل مقرم صفحہ ۱۴۷ ۔ مقتل حسین محسن الامین صفحہ ۲۷ ۔

۱۱ مقتل خوارزمی صفحہ ۱۸۷ ۔

۱۲ مقتل مقرم صفحہ ۱۹۵ نقل از بحار جلد دوم صفحہ ۱۸۴ ۔

۱۳ مقتل مقرم صفحہ ۱۹۵ نقل از بحار جلد دوم صفحہ ۱۸۴ ۔

۱۴ عیون العبریٰ صفحہ ۲۰ ۔

۱۵ مقتل مقرم صفحہ ۱۵۰ نقل از طبری ۔

۱۶ عیون العبریٰ صفحہ ۹۹ ۔ لشکر ابن سعد سے خطاب ۔

۱۷ انقلاب حسینؑ صفحہ ۱۸۳ از محمد مہدی شمس الدین ۔

۱۸ « أيها الأمير انا أهل بيت النبوة ومعدن الرسالة ومختلف الملائكة بنا فتح وبنا ختم ويزيد رجل فاسق شارب الخمر قاتل النفس المحترمة معلن للفسق ومثلي لا يبايع مثله ولكن نصبح وتصبحون وننظر وتنظرون أينا أحق بالخلافة والبيعة »

مقتل حسین از سید محسن الامین صفحہ ۲۲ ۔

۱۹ (انا لله وانا اليه راجعون وعلى الاسلام السلام اذ قد بليت الامة براع مثل يزيد ولقد سمعت جدي رسول الله (ص) يقول الخلافة محرمة

على آل أبي سفيان)
مقتل حسین از سید محسن الامین صفحہ ۲۴-

٢٠ (بسم الله الرحمن الرحيم .. هذا ما أوصى به الحسين بن علي (ع) الى أخيه محمد بن الحنفية:

ان الحسين يشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له . وان محمدا عبده ورسوله . جاء بالحق من عند الحق . وان الجنة حق ، والنار حق ، والساعة آتية لا ريب فيها . وان الله يبعث من في القبور ، واني لم أخرج أشرا ولا بطرا ولا مفسدا ولا ظالما .وانما خرجت لطلب الاصلاح في امة جدي ـ صلى الله عليه وآله ـ اريد أن آمر بالمعروف وأنهى عن المنكر وأسير بسيرة جدي وأبي علي بن أبي طالب فمن قبلني بقبول الحق فالله أولى بالحق ومن رد علي هذا أصبر حتى يقضي الله بيني وبين القوم بالحق وهو خير الحاكمين وهذه وصيتي اليك يا أخي ، وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه انيب)

مقتل خوارزمی صفحہ ۸۸ جلد اوّل فصل ۹-

٢١ (يا معشر الشيعة انكم قد علمتم بأن معاوية قد هلك وصار الى ربه وقدم على عمله وقد قعد في موضعه ابنه يزيد وهذا الحسين بن علي عليهما السلام قد خالفه وصار الى مكة هاربا من طواغيت آل أبي سفيان وانتم شيعته وشيعة أبيه من قبله وقد احتاج الى نصرتكم اليوم . فان كنتم تعلمون أنكم ناصروه ومجاهدو؟ عدوه فاكتبوا اليه وان خفتم الوهن والفشل فلا تغروا الرجل من نفسه)

مقتل الحسین از سید محسن الامین صفحہ ۳۰ اور طبری صفحہ ۳۵۲ جلد ۵ طبع دار المعارف

٢٢ (بسم الله الرحمن الرحيم ـ للحسين بن على عليهما السلام من سليمان بن صرد والمسيب بن نجيبة ورفاعة بن شداد البجلي وحبيب بن مظاهر وعبد الله بن وائل وشيعته من المؤمنين المسلمين سلام عليك ، أما بعد فالحمد لله الذي قصم عدوك وعدو أبيك من قبل الجبار العنيد الغشوم الظلوم الذي انتزى على هذه الامة فابتزها أمرها وغصبها فيأها وتأمر عليها بغير رضا منها ثم قتل خيارها واستبقى شرارها وجعل مال الله دولة بين جبابرتها وعتاتها فبعدا له كما بعدت ثمود . وانه ليس علينا امام غيرك فاقبل لعل الله يجمعنا بك على الهدى

والحق . والنعمان بن بشير في قصر الامارة ولسنا نجتمع معه في جمعة ولا نخرج معه الى عيد ولو قد بلغنا أنك أقبلت . أخرجناه حتى يلحق بالشـام ان شاء الله تعـالى والسلام عليـك ورحمـة الله وبركاته

مقتل حسینؑ از سید محسن الامین صفحہ ۳۰ اور تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۲۳۳۔

٢٣ (بسم الله الرحمن الرحيم من الحسين بن علي الى الملأ من المؤمنين والمسلمين .

أما بعد فان هانيا وسعيدا قدما على بكتبكـم وكانا آخر من قدم علي من رسلكم وقد فهمت كل الذي اقتصصتم وذكرتم ومقالة جلكم أنه ليس علينا امام فاقبل لعل الله يجمعنا بك على الحق والهدى - وأنا باعث اليكـم أخي وابن عمي وثقتي مـن أهل بيتي مسلما بن عقيل وأمرته أن يكتب الي بحالكم وأمركم ورأيكم فان كتب الي أنه قـد أجمع راي ملأكم وذوي الفضل والحجى منكم على مثل مـا قدمت علي به رسلكم وقرأت كتبكم فانى أقـدم اليكم وشيكا ان شاء الله تعالى فلعمري ما الامام الا الحاكم بالكتاب القائم بالقسط الدائن بدين الحق الحابس نفسه على ذلك لله والسـلام)

تاریخ طبری صفحہ ۲۳۵ اور مقتل حسینؑ از سید محسن الامین صفحہ ۳۳۔

٢٤ وقيل ثم نادى مسلم بن عقيل رضوان الله عليه وأمره بالتقوى وكتمان امره واللطف فان رأى الناس مجتمعين مستوسقين عجل اليه

تاریخ طبری صفحہ ۲۳۶ جلد ۳

٢٥ (أما بعد .. فان الله اصطفى محمدا (ص) على خلقه وأكرمه بنبوته واختاره لرسالته ثم قبضه الله اليه وقد نصح لعباده وبلغ ما ارسل به ـ صلى الله عليه وآله ـ وكنا أهله وأولياءه وأوصياءه وورثته وأحق الناس بمقامه في الناس فاستأثر علينا قومنا بذلك فرضينا وكرهنا الفرقة وأحببنا العافية ونحن نعلم انا أحق بذلك الحق المستحق علينا ممن تولاه . وقد بعثت رسولي اليكم بهذا الكتاب وأنا أدعوكم الى كتاب الله وسنة نبيه (ص) فان السنة قد اميتت وان البدعة قد احييت . وان تسمعوا قولي وتطيعوا امري أهدكم سبيل الرشاد والسلام عليكم ورحمة الله)

تاریخ طبری صفحہ ۲۴۰ جلد ۳ اور مقتل مقرم صفحہ ۱۵۹۔

٢٦ ان معاوية مات فأهون به والله هالكا ومفقودا الا وانه قد انكسر باب الجور والاثم وتضعضعت أركان الظلم . وكان قد أحدث بيعة عقد بها امرا

ظن أنه قد أحكمه وهيهات الذي أراد · اجتهد والله ففشل وشاور فخذل · وقد قام يزيد شارب الخمور ورأس الفجور يدعي الخلافة على المسلمين ويتأمر عليهم بغير رضا منهم مع قصر حلم وقلة علم لا يعرف من الحق موطيء قدميه فاقسم بالله قسما مبرورا لجهاده على الدين أفضل من جهاد المشركين · وهذا الحسين بن رسول الله (ص) ذو الشرف الأصيل والرأي الأثيل له فضل لا يوصف وعلم لا ينزف وهو أولى بهذا الأمر لسابقته وسنه وقدمه وقرابته · يعطف على الصغير · ويحنو على الكبير فأكرم به راعي رعية · وامام قوم وجبت لله به الحجة وبلغت به الموعظة فلا تعشوا عن نور الحق ولا تسكعوا في وهد الباطل · فقد كان صخر بن قيس انخزل بكم يوم الجمل فاغسلوها بخروجكم الى ابن رسول الله (ص) ونصرته والله لا يقصر أحدكم عن نصرته الا أورثه الله تعالى الذل في ولده والقلة في عشيرته وهاأنا ذا قد لبست للحرب لامتها وادرعت لها بدرعها · من لم يقتل يمت ومن يهرب لم يفت فأحسنوا رحمكم الله ــ رد الجواب)

مقتل مقرم صفحة ١٦١

٢٧ (بسم الله الرحمن الرحيم ــ أما بعد فقد وصل الى كتابك وفهمت ما ندبتني اليه ودعوتني له من

الأخذ بحظى من طاعتك والفوز بنصيبى من نصرتك وان الله لم يخل الأرض قط من عامل عليها بخير أو دليل على سبيل نجاة وأنتم حجة الله على خلقه ووديعته في أرضه تفرعتم من زيتونة أحمدية هو أصلها وأنتمْ فرعها • فاقدم سعدت بأسعد طائر فقد ذللت لك أعناق بني تميم وتركتهم أشد تتابعا في طاعتك من الابل الظمآء لورود الماء يوم خمسها وقد ذللت لك رقاب بنى سعد وغسلت درن صدورها بماء سحابة مزن حين استهل برقها والسلام)

مقتل حسين از سيد محسن الامين صفحه ٣٨

٢٨ عبيد الله : يا عاق يا شاق خرجت على امامك وشققت عصا المسلمين وألقحت الفتنة •

مسلم : كذبت انما شق عصا المسلمين معاوية وابنه يزيد واما الفتنة فانما ألقحتها أنت وابوك زياد بن عبيد ابن بنى علاج من ثقيف • وأنا أرجو أن يرزقني الله الشهادة على يدي شر بريته •

عبيد الله : منتك نفسك أمرا حال الله دونه وجمله لأهله •

مسلم : ومن أهله يا ابن مرجانة اذا لم نكن نحن أهله ؟

عبيد الله : أهله أمير المؤمنين يزيد بن معاوية •

مسلم : الحمد لله على كل حال رضينا بالله حكما بيننا وبينكم •

عبيد الله : أتظن ان لك في الأمر شيئا ؟ •

مسلم : والله ما هو الظن ولكنه اليقين •

عبيد الله : ايه ابن عقيل أتيت الناس وهم جمع وأمرهم ملتئم فشتت أمرهم بينهم وفرقت كلمتهم وحملت بعضهم على بعض •

مسلم : كلا لست لذلك أتيت ولكنكم أظهرتم المنكر ودفنتم المعروف وتأمرتم على الناس بغير رضا منهم وحملتموهم على غير ما أمركم الله به وعملتم فيهم بأعمال كسرى وقيصر فأتيناهم لنأمر فيهم بالمعروف وننهى عن المنكر وندعوهم الى حكم الكتاب والسنة وكنا أهلا لذلك •

٢٩ (بسم الله الرحمن الرحيم • من الحسين بن علي الى اخوانه من المؤمنين والمسلمين سلام عليكم فاني أحمد اليكم الله الذي لا اله الا هو • أما بعد فان كتاب مسلم بن عقيل جاءني يخبرني فيه بحسن رأيكم واجتماع ملئكم على نصرنا والطلب بحقنا • فسألت الله أن يحسن لنا الصنع وأن يثيبكم على ذلك أعظم الأجر • وقد شخصت اليكم من مكة يوم الثلاثاء لثمان مضين من ذي الحجة يوم التروية فاذا

قدم عليكم رسولي فاكمشوا امركم وجدوا فانـي
قادم عليكم في أيامي هذه ان شاء الله والسلام عليكم
ورحمة الله وبركاته) (۱) وختمه وارسله مع قيس
ابن مسهر الصيداوي رضوان الله عليه .

تاریخ طبری صفحه ۲۸۹ جلد۴

۳۰ ایها الناس انها معذرة الى الله عز وجل واليكم
اني لم آتكم حتـى اتتني كتبكم وقدمت علي
رسلكم ان اقدم علينا فانه ليس لنا امام لعل الله
يجمعنا بك على الهدى فان كنتم على ذلك فقد
جئتكم فان تعطوني ما أطمئن اليه من عهودكم
ومواثيقكم أقدم مصركم وان لم تفعلـوا وكنتم
لمقدمي كارهين انصرفت عنكم الى المكان الذي اقبلت
منه اليكم)

تاریخ طبری صفحه ۲۹۷ جلد۴

۳۱ أيها الناس فانكم ان تتقوا الله وتعرفوا
الحق لأهله يكن ارضى لله عنكم ونحـن أهل
بيت محمد أولى بولاية هذا الأمر عليكم مـن

هؤلاء المدعين ما ليس لهم والسائرين فيكم بالجور والعدوان . وان أبيتم الا الكراهية لنا والجهل بحقنا وكان رأيكم الآن غير ما أتتني به كتبكم وقدمت به على رسلكم انصرفت عنكم)

مقتل حسین ۲ از سید محسن الامین صفحہ ۸۱ اور تاریخ طبری صفحہ ۲۹۸ جلد ۴

٣٢ (بعد أن حمد الله واثنى عليه : أيها الناس ان رسول الله صلى الله عليه وآله قال : من رأى سلطانا جائرا مستحلا لحرام الله ، ناكثا لعهد الله ، مخالفا لسنة رسول الله ، يعمل في عباد الله بالاثم والعدوان ، فلم يغير عليه بفعل ولا قول ، كان حقا على الله أن يدخله مدخله ، ألا وان هؤلاء قد لزموا طاعة الشيطان ، وتركوا طاعة الرحمن ، وأظهروا الفساد ، وعطلوا الحدود ، واستأثروا بالفيء ، وأحلوا حرام الله ، وحرموا حلاله ، وأنا أحق من غير ، وقد أتتني كتبكم ، وقدمت على رسلكم ببيعتكم ، انكم لا تسلموني ولا تخذلوني ، فان تممتم على بيعتكم تصيبوا رشدكم ، فأنا الحسين بن علي وابن فاطمة بنت رسول الله (ص) نفسي مع أنفسكم ، وأهلي مع أهليكم ، فلكم في اسوة ، وان لم تفعلوا ، ونقضتم عهدكم ، وخلعتم بيعتي من أعناقكم ، فلعمري ما هي لكم بنكر لقد فعلتموها بأبي وأخي وابن عمي مسلم بن عقيل ، والمغرور

من اغتر بكم فحظكم أخطأتم ، ونصيبكم ضيعتم ، ومن نكث فانما ينكث على نفسه ، وسيغنني الله عنكم والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته)

الکامل جلد٣ صفحہ ٢٨٠ اورتاریخ طبری صفحہ ٣٠٠ جلد٤

٣٣ (الناس عبيد الدنيا، والدين لعق على السنتهم، يحوطونه ما درت معائشهم فاذا محصوا بالبلاء قل الديانون)

(ثم حمد الله وأثنى عليه ، وصلى على النبي وآله وقال : أما بعد ، فقد نزل بنا من الأمر ما قد ترون ، وان الدنيا قد تغيرت وتنكرت ، وأدبر معروفها ، ولم يبق منها الا صبابة كصبابة الاناء ، وخسيس عيش كالمرعى الوبيل)

ألا ترون الى الحق لا يعمل به ، والى الباطل لا يتناهى عنه ، ليرغب المؤمن في لقاء الله محقا ، فاني لا أرى الموت الا سعادة ، والحياة مع الظالمين الا برما)

٣٤ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ٩٠
٣٥ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ١٤١
٣٦ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ١٤٠

۳۷ مختصر کلمات نہج البلاغہ

۳۸ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۶

۳۹ مقتل حسینؑ از سید محسن الامین صفحہ ۶۳

۴۰ ثم جاءه عبد الله بن عمر وأشار عليه بصلح أهل الضلال وحذره من القتل والقتال • فقال له الحسين «ع» (يا أبا عبد الرحمن اما علمت ان من هوان الدنيا على الله ان رأس يحيى بن زكريا اهدي الى بغي من بغايا بني اسرائيل أما تعلم ان بني اسرائيل كانوا يقتلون ما بين طلوع الفجر الى طلوع الشمس سبعين نبيا ثم يجلسون في أسواقهم يبيعون ويشترون كأن لم يصنعوا شيئا • فلم يعجل الله عليهم بل أخذهم بعد ذلك اخذ عزيز ذي انتقام • اتق الله يا أبا عبد الرحمن ولا تدعن نصرتي)

اعیان الشیعہ جلد ۴ قسم اول صفحہ ۲۱۲

۴۱ مقتل حسینؑ از سید محسن الامین صفحہ ۶۳

۴۲ کتاب الارشاد از شیخ مفید

۴۳ مقتل حسینؑ از سید محسن الامین صفحہ ۷۰

۴۴ مقتل مقرم صفحہ ۲۱۹ نقل از مقتل خوارزمی و مثیر الاحزان

۴۵ مقتل مقرم صفحہ ۲۲۱ نقل از مقتل خوارزمی

۴۶ مقتل مقرم صفحہ ۱۵۱

۴۷ مقتل مقرم صفحہ ۱۵۵۔ امالی صدوق و لہوف دونوں سے بھی مروی ہے۔

۴۸ مقتل مقرم صفحہ ۱۹۴ نقل از تاریخ مکہ

۴۹ مقتل مقرم صفحہ ۱۹۵ نقل از بحار

۵۰ مقتل مقرم صفحہ ۱۹۶ نقل از کامل ابن اثیر

۵۱ (الحمد لله وما شاء الله ولا قوة الا بالله وصلى الله على رسوله • خط الموت على ولد آدم مخط القلادة على جيد الفتاة • وما أولهني (۲) الى أسلافي اشتياق يعقوب الى يوسف وخير لي مصرع أنا لاقيه • كأني بأوصالي تقطعها عسلان الفلوات (۳) بين النواويس وكربلا • فيملان مني أكراشا جوفا • وأجربة سغبا لا محيص عن يوم خط بالقلم • رضى الله رضانا أهل البيت • نصبر على بلائه • ويوفينا اجور الصابرين • لن تشذ عن رسول الله لحمته • بل هي مجموعة له في حضيرة القدس • تقر بهم عينه وينجز بهم وعده • الا ومن كان فينا باذلا مهجته موطنا على لقاء الله نفسه • فليرحل معنا فانى راحل مصبحا ان شاء الله تعالى)

مقتل حسینؑ از سید محسن الامین صفحہ ۶۳

۵۲ مقتل مقرم صفحہ ۲۰۴
۵۳ مقتل مقرم صفحہ ۲۳۲، لہوف اور تاریخ طبری صفحہ ۳۰ جلد ۴ پر بھی مرقوم ہے۔
۵۴ وثائق الرسمیہ صفحہ ۴۷ عیون العبریٰ صفحہ ۱۷
۵۵ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۶
۵۶ حیاتِ امام حسنؑ از باقر شریف قرشی جلد دوم صفحہ ۲۶۶
۵۷ حیاتِ امام حسن از باقر شریف قرشی جلد دوم صفحہ ۲۶۸
۵۸ حیاتِ امام حسن از باقر شریف قرشی جلد دوم صفحہ ۲۶۸
۵۹ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۳

۶۰ (بابي أنت وامي يا رسول الله لقد خرجت من جوارك كرها وفرق بيني وبينك واخذت قهرا أن ابايع يزيد شارب الخمور وراكب الفجور وان فعلت كفرت وان أبيت قتلت فها أنا خارج من جوارك كرها فعليك مني السلام يا رسول الله

مقتل ابی مخنف صفحہ ۱۵

۶۱ مقتل مقرم صفحہ ۲۱۹ نقل از امالیٔ صدوق
۶۲ معالی السبطین جلد اوّل نقل از طبری
۶۳ مقتل مقرم صفحہ ۲۷۹، وثائق الرسمیہ صفحہ ۱۶۴
۶۴ وثائق الرسمیہ صفحہ ۱۶۹، تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۲۳۲، الکامل جلد ۳ صفحہ ۲۸۸۔

۶۵ وثائق الرسمیہ صفحہ ۱۶۱

۶۶ ثم أقبل الحسين «ع» حتى انتهى الى منطقة الصفاح فلقيه الفرزدق بن غالب الشاعر فواقف حسينا وقال له أعطاك الله سؤلك وأملك فيما تحب بأبي أنت وامي يا ابن رسول الله فقال له الحسين «ع» : ما خلفت الناس فقال له الفرزدق :

من خبير سالت قلوبهم معك وسيوفهم مع بني امية والقضاء ينزل من السماء والله يفعل ما يشاء فقال له الحسين «ع» : (صدقت لله الأمر والله يفعل ما يشاء وكل يوم ربنا في شأن ان نزل القضاء بما نحب فنحمد الله على نعمائه وهو المستعان على أداء الشكر ° وان حال القضاء دون الرجاء فلم يعتد من كان الحق نيته والتقوى سريرته والسلام عليك)

تاریخ طبری صفحہ ۲۷۸ جلد ۴

۶۷ مقتل مقرم صفحہ ۲۱۲
۶۸ مقتل مقرم صفحہ ۲۱۷ - تذکرۃ الاطہار صفحہ ۲۸۳
۶۹ مقتل مقرم صفحہ ۲۸۸
۷۰ اصول کافی باب مشیت وارادہ جلد اوّل صفحہ ۱۵۰

۴۱ اصول کافی باب مشیت وارادہ جلد اوّل صفحہ ۱۵۰

۴۲ اصول کافی باب مشیت وارادہ جلد اوّل صفحہ ۱۵۰

۴۳ اصول کافی باب مشیت وارادہ جلد اوّل

۴۴ اصول کافی باب مشیت وارادہ جلد اوّل

۴۵ مقتل مقرم صفحہ ۲۶۴ نقل از مثیر الاحزان

۴۶ اللهم اني احمدك على ان أكرمتنا بالنبوة وعلمتنا القرآن وفقهتنا في الدين وجعلت لنا اسماعا وأبصارا وأفئدة ولم تجعلنا من المشركين ·

ـ اما بعد ـ فاني لا اعلم اصحابا أولى ولا خيرا من اصحابي ولا أهل بيت أبر وأوصل من أهل بيتي فجزاكم الله عني جميعا خيرا ، الا واني أظن يومنا من هؤلاء الأعداء غدا ، الا واني قد أذنت لكم ، فانطلقوا جميعا في حل ليس عليكم مني ذمام ، هذا الليل قد غشيكم فاتخذوه جملا ، ثم ليأخذ كل رجل منكم بيد رجل من أهل بيتي ، ثم تفرقوا في سوادكم ومدائنكم حتى يفرج الله فان القوم انما يطلبوني ولو قد أصابوني لهوا عن طلب غيري)

تاریخ طبری صفحہ ۳۲۱ اور صفحہ ۳۲۲ جلد ۴ - مقتل حسینؑ صفحہ ۱۰۵

۴۷ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۷

۴۸ حیات امام حسنؑ جلد دوّم صفحہ ۱۴۸

۴۹ حیات امام حسنؑ جلد دوّم صفحہ ۱۴۸





اسلام کے انقلابی افکار اور حقیقی معارف کے ادراک کے لیے

دار الثقافۃ الاسلامیۃ

کی پیش کش

ہمارا پیام	الشہید سید محمد باقر الصدر	۱۵/-
کتاب المؤمن	حسین بن سعید اہوازی	۳۰/-
تذکرۂ مجید... شہید ثالث	سید سبط الحسن ہنسوی	۱۵/-
تشیع اور رہبری	الشہید سید محمد باقر الصدر	۱۰/-
فلسفۂ امامت	محمد مہدی الآصفی	۱۵/-
درس قرآن	استاد شہید مرتضیٰ مطہری	زیر طبع
درس انقلاب	محمد مہدی الآصفی	۱۰/-
اسلام دین حرکت	ڈاکٹر علی قائمی	زیر طبع
صدائے حضرت سجادؑ	محمد یوسف حریری	۲۰/-
فکر حسینؑ کی الف ب	ڈاکٹر محمد رضا صالحی کرمانی	۲۵/-
تفسیر عاشورا	سید علی شرف الدین موسوی	۳۰/-
حسین شناسی	محمد یزدی	زیر طبع
عاشورا اور خواتین	ڈاکٹر علی قائمی	"
پیام شہیداں	ڈاکٹر علی قائمی	"
اسلام کے بنیادی اصول و احکام	سید رضا برقعی۔ ڈاکٹر محمد جواد باہنر	"
شرح اصطلاحات اسلامی	ڈاکٹر علی محمد تقوی	"
اسلام اور مارکسزم	استاد ناصر مکارم شیرازی	"